© rasailojaraid.com

اسلامی دستوری قانون کی اساسی خصوصیات

عرفان خالد ڈھلوں : ایم اے ۔ ایل ایل بی ۔ ایل ایل ایم
(شریعہ و قانون) لیکچرار گورنمنٹ مرے کالج سیالکوٹ

انسان کی تمدنی زندگی میں ہونے والے مختلف النوع تغیرات و انکشافات نے جہاں فقہ و قانون کے دیگر شعبوں کا دائرہ وسیع کیا ہے وہاں دستوری قانون میں بھی نئے نئے مسائل جنم لے رہے ہیں۔ آج ریاست ایک طاقتور ادارہ بن گئی ہے۔ اگرچہ سوویت یونین کے خاتمے اور کمیونزم کی لازمی موت نے ریاست کی اجارہ داری کم کی ہے اور فرد کی آزادی کے تصور کو مزید تقویت حاصل ہو گئی ہے لیکن ایک منظم معاشرے میں ریاست کی ضرورت و اہمیت سے کبھی انکار نہیں کیا جا سکے گا۔ اور ایک ریاست میں دستور سے زیادہ اہم چیز کوئی اور نہیں ہوتی۔ دستور ریاست کے مختلف اعضاء کے درمیان حقوق و فرائض اور اختیارات کا تعین کرتا ہے۔ ریاستی امور میں نظم و نسق قائم رکھنے میں دستور ایک محور کا کام دیتا ہے۔

آج کل دستوری قانون میں جن مسائل کو جگہ مل رہی ہے ان میں سے چند اہم یہ ہیں: ریاست کی حیثیت حاکمیت اعلیٰ۔ مقننہ، انتظامیہ اور عدلیہ کا باہمی تعلق اور ان کی حدود و اختیارات۔ قانون کی حکمرانی، ریاست کا مقصد وجود۔ نظام حکومت سربراہ ریاست اور سربراہ حکومت کے اختیارات اور باہمی تعلقات کی نوعیت۔ مقننہ کی ہئیت ترکیبی۔ انتظامی عہدوں کا تقرر۔ قانون سازی کے ماخذوں کا تعین۔ خارجہ پالیسی۔ شہری اور ریاست کا باہمی تعلق اور ان کے باہمی حقوق و فرائض۔ ملازمتیں شہریوں کے مدنی، سیاسی، معاشی اور سماجی حقوق وغیرہ وغیرہ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسلام چونکہ ایک دین ہے، ایک نظامِ زندگی ہے۔ اس لیے دیگر شعبہ ہائے زندگی کی طرح دستوری قانون میں بھی وہ واضح، ٹھوس اور پائیدار اصول فراہم کرتا ہے۔ جن کو مدنظر رکھ کر دستوری مسائل کا حل تلاش کرنا ہوگا۔ دینِ اسلام ان چند ابدی اصولوں سے بحث کرتا ہے جو زمان و مکان کی قیود سے آزاد اور ہر وقت اور ہر معاشرے میں انسان کی فلاح کے لیے ضروری ہیں۔ وہ جزئیات سے بحث نہیں کرتا بلکہ ان ابدی اصولوں کی روشنی میں جزئیات کو طے کرنا اس نے خود انسان پر چھوڑ دیا ہے۔ دستوری قانون میں پیدا ہونے والے مسائل انہی جزئیات کی ایک شکل ہیں۔ اسلام نے دستوری قانون سے متعلق جو ٹھوس اصول بیان کر دیے ہیں وہ اس قانون کی اساس ہیں جس پر پوری دستوری عمارت کھڑی ہوگی۔ اگر ان اصولوں کا لحاظ نہیں رکھا جائے گا تو ایسا دستوری قانون کچھ اور تو ہو سکتا ہے اسلامی نہیں۔

اسلامی دستوری قانون کی اساسی خصوصیات پر بحث کرنے سے قبل یہ ضروری ہے کہ اسلامی نظامِ ریاست میں دستور کی اہمیت و تاریخی پس منظر کا ایک طائرانہ جائزہ لے لیا جائے۔

مسلمانوں کو اس بات پر بجا طور پر فخر ہے کہ تاریخ انسانی میں سب سے پہلے انہوں نے دستورِ مملکت کو دیگر قوانین سے الگ کر کے اسے ایک باقاعدہ تحریری شکل دی اور ریاستی نظام کو پہلی مرتبہ دستور سے آشنا کیا۔ ماضی قدیم میں مختلف بادشاہوں کے ہدایت ناموں یا قوانین کا تذکرہ تو ملتا ہے مثلاً قدیم ترین تحریری قانون حمورابی (۱۸۶۸ ق م) بادشاہ کا ہے[1] جو عراق کا حکمران تھا۔ اور جدید مغربی تحقیقات کے مطابق یہ وہی شخص ہے جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نمرود کہا جاتا ہے[2] لیکن کسی باقاعدہ تحریری دستور کی مثال عہدِ نبویؐ میں کیے گئے "میثاقِ مدینہ" سے قبل کہیں نہیں ملتی یہ ایک تحریری معاہدہ تھا جو دستورِ مملکت کی سب سے پہلی شکل تھی۔ اس معاہدے میں ریاستِ مدینہ اور اس کے شہریوں کے باہمی حقوق و فرائض کا تعین کر دیا گیا تھا۔ میثاقِ مدینہ ہجرت کے پہلے سال بمطابق ۶۲۳ء میں ہوا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، مہاجرین مکہ، انصار مدینہ، یہودی، عیسائی اور بت پرست جو ریاست مدینہ کے شہری تھے، اس معاہدے کے فریق تھے اور ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کے نزدیک دستور کی ۵۳ دفعات ہیں[3]۔ عہدِ نبویؐ کے "میثاقِ مدینہ" کے بعد خلافت راشدہ کے دور میں دستوری قانون میں کوئی مزید کام نہیں ہوا اور نہ ہی کسی باقاعدہ تحریری دستور کا ذکر ملتا ہے۔ یہ کوئی تعجب بات نہیں ہے۔ آج جبکہ انسانی دنیا اپنی تمام تر علمی و سائنسی ترقی کے ساتھ اکیسویں صدی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں داخل ہونے والی ہے ایسے ممالک پائے جاتے ہیں جن میں کوئی تحریری دستور نہیں[۲] اور ان ممالک کا کاروبارِ سلطنت چل رہا ہے بعینہٖ عہد خلافتِ راشدہ میں اگرچہ دستور نہیں تھا لیکن دستوری قانون موجود تھا۔ ریاست اور شہریوں کے باہمی حقوق و فرائض سے سب بخوبی آگاہ تھے۔ اس دور میں دستوری قانون کی ترقی اور باقاعدہ تحریری دستور مرتب نہ ہونے کی معقول وجوہات تھیں خاص طور پر پہلے دو خلفائے راشدین حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے ادوار میں وسیع اور پے در پے فتوحات کے سبب تدوینِ دستور کی مہلت ہی نہ تھی۔ سلطنت و حکومت کے تمام امور کا انحصار خلفاءؓ کے فیصلوں پر تھا لیکن خلفاء اپنے فیصلے اپنے رفقاء کے مشوروں سے کیا کرتے تھے۔

جب مسلمانوں کا سیاسی نظام خلافت سے ملوکیت میں تبدیل کر دیا گیا تو حکمران کی غرض و منشاء قانون و دستور کہلائی۔ مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ مسلمانوں میں تہذیب و تمدن اور علوم و فنون کا ارتقاء ٹھہر گیا، تحقیق و جستجو نے باہمی فروعی جھگڑوں سے شکست کھائی جس کے نتیجے کے طور پر مسلمانوں کو سیاسی زوال بھی آیا۔ مسلمان قومیں غیر مسلم قوموں کی غلام ہوتی چلی گئیں یا نیم آزاد رہیں مگر ان میں زندہ قوموں کا سا خون باقی نہ تھا۔ دینی و سیاسی چمنستان پر خزاں چھا گئی تھی۔ آزاد و نیم آزاد مسلم ممالک دیگر ہمعصر قوموں کے نظاموں کی طرف متوجہ ہوئے اور ان کے علوم و فنون اور قوانین اپنا لیے۔ بعد میں مسلم علاقے انگریزوں، فرانسیسیوں، پرتگالیوں اور ولندیزیوں وغیرہ سے آزاد ہونا شروع ہوئے۔ ترکی میں سلطان عبدالمجید نے پہلی مرتبہ ۱۸۳۹ء میں دستوری حکومت کا آغاز کیا[۵] سلطان نے خود اپنی مرضی سے اپنی مطلق العنانی پر کچھ پابندیاں عائد کر لیں بعد میں وقتاً فوقتاً دستوری اصلاحات ہوتی رہیں ۱۸۷۶ء میں عبدالمجید ثانی نے ایک نیا دستور نافذ کیا[۳] جس میں حکومت اختیارات اور شہریوں کے حقوق کا واضح انداز میں تعین کیا گیا اور عوام کو بہت سارے حقوق دیے گئے۔ خود مغرب میں دستور امریکہ کے تحریری دستور کے بعد آیا اس سے قبل مغرب دستور کے تصور سے ناآشنا تھا امریکہ کا دستور ۱۷۸۷ء میں منظور ہوا تھا[۶] پاکستان ۱۴ / اگست ۱۹۴۷ء کو قائم ہوا۔ انڈین انڈی پینڈنس ایکٹ آف ۱۹۴۷ء اور دی گورنمنٹ اف انڈیا ایکٹ آف ۱۹۳۵ء میں ہلکی پھلکی ترمیم کر کے نئی مملکت کے دستوری خلا کو پر کیا گیا[۵] پاکستان کا پہلا دستور فروری ۱۹۵۶ء کو پاس ہوا[۹]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۔ کیا قرآن دستور کی کتاب ہے

بعض اوقات یہ رائے سننے اور پڑھنے میں آتی ہے کہ قرآن ہمارے لیے دستور کی کتاب ہے اس کے ہوتے ہوئے ہمیں کسی اور دستور یا قانون سازی کی ضرورت نہیں ہے بلکہ "قرآن و حدیث سے احکام و قوانین اخذ کر کے دفعہ وار قانون کی شکل دنیا ہمیں ان مصلحتوں اور رعایتوں سے دستبردار کر دیتا ہے جو قرآن و حدیث اپنے اندازِ بیان، طرزِ استدلال، جامعیت اور کلامِ الٰہی ہونے کے ناطے اپنے میں سموئے ہوئے ہے"[۱]

قرآن بنیادی طور پر "ھدیً للمتقین" ہے۔ ہدایت کی کتاب ہے یہ دستورِ حیات ہے۔ یہ صرف دستورِ مملکت نہیں کہ اس میں ریاستی امور کا تذکرہ ہو۔ یہ مجموعۂ تعزیرات و فوجداری نہیں کہ اس میں صرف جرم و سزا کا ہی بیان ہو۔ یہ مجموعہ قوانین دیوانی و مدنی نہیں کہ اس میں صرف لڑائی جھگڑا اور صلح و صفائی وغیرہ کے بارے میں بتایا گیا ہو یہ بین الاقوامی قانون کا ضابطہ نہیں کہ اس میں صرف بین الاقوامی تعلقات اور خارجہ امور کی پیچیدگیاں سلجھائی گئی ہوں۔ یہ تاریخ کی کتاب نہیں کہ اس میں صرف سابقہ امم کے عروج و زوال کی داستانیں قلمبند ہوں اور نہ ہی یہ سائنس کی کتاب ہے کہ اس میں صرف طبیعاتی اور کیمیائی راز افشا کیئے گئے ہوں یا حیاتیاتی علوم کی بھرمار ہو۔

قرآن مجید میں انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں سے متعلق صرف وہ اصول بیان کیئے گئے ہیں جو اس کے لیے انتہائی لازمی ہیں اور جو ہر جگہ اور ہر وقت انسان کی ہدایت و راہنمائی کے لیے از حد ضروری ہیں۔ زمان و مکان کا اتار چڑھاؤ ان اصولوں پر اثر انداز نہیں ہو سکتا۔ یہ اصول اپنی ذات میں غیر لچکدار اور پائیدار ہیں، زندگی کے تمام پہلوؤں سے متعلق اصولی رہنمائی کے بعد جزئیات اور تفصیلی امور مسلمانوں کے اجتہادات پر چھوڑ دیے گئے ہیں۔ کیونکہ اسلام امت کی اجتماعی رائے کو ایک مقام عطا کرتا ہے۔ شریعتِ اسلامی کی یہ رعایت دستوری قانون کی تفصیلات طے کرنے میں بھی قرآن و سنت کی حیثیت بالاتر (SUPRA CONSITUTIONAL) ہو گی۔

۲۔ اسلامی دستوری قانون کے بنیادی ماخذ

اسلامی دستوری قانون کا اولین ماخذ قرآن مجید ہے۔ قرآن میں ہے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وَمَنْ لَّمْ یَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ [2]

"جو اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی کافر ہیں۔"

دستوری قانون سے متعلق قرآن میں جو اصول بیان کیے گئے ہیں ان کی روشنی میں دستور سازی کی جائے گی دستور کی کسی دفعہ کا کوئی اعتبار نہ ہوگا جو کسی قرآنی نص یا اس کی منشا کے خلاف ہو۔

قرآن کے بعد دوسرا اہم ماخذ سنتِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہے آپؐ وہ کامل انسان ہیں جنہوں نے قرآن پر عمل کر کے ہمارے لیے بہترین نمونہ چھوڑا ہے آپؐ نے مدینہ کی اسلامی ریاست کے حکمران کی حیثیت سے جو دستوری فیصلے کیے ان کی پابندی کرنا لازم ہے۔ قرآن کا یہ واضح حکم ہے:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ [3]

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی"

اطاعت اور پیروی کے معاملہ میں قرآن اور سنتِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دونوں یکساں درجے پر ہیں۔

اسلامی دستوری قانون کا تیسرا بنیادی ماخذ تعاملِ خلفائے راشدین ہے۔ خلافت راشدہ کا یہ دور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد (۱۱ھ) سے شروع ہو کر آخری خلیفہ راشد حضرت علیؓ کی شہادت (۴۰ھ) تک تقریباً تیس سال کے عرصہ پر محیط ہے۔ اس تیس سالہ دور میں خلفائے راشدین نے پیش آنے والے دستوری مسائل کے بارے میں جو فیصلے کیے یا جو حکمتِ عملی اختیار کی وہ سب دستوری ماخذ قرار دیے جائیں گے اور حجت ہوں گے۔

تعاملِ خلفائے راشدین کی حجیت کے بارے میں مولانا مودودی (م ۱۹۷۹ء) بھی یہی کہتے ہیں کہ خلفائے راشدین کے دستوری فیصلوں کو جوں کا توں تسلیم کرنا ہوگا[4] البتہ مشہور مسلم مفکر محمد اسد (سابق لیوپولڈ ویس) (م ۱۹۹۲ء) ایک مختلف رائے رکھتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ خلفائے راشدین نے اپنے دور میں جو ضوابط نافذ کیے وہ از روئے قانون اُس زمانے کے لیے سرتاسر صحیح اور قابل تسلیم تھے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر زمانے کے لیے صحیح اور قابلِ عمل تصور کیے جائیں[5] سیاسی معاملات میں صحابہ کے اجتہاد کو قانونی نظیر مان کر ہمیشہ کے لیے حجت قرار دینا درست نہ ہے[6]
محمد اسد صاحب کی رائے میں اس بات کی واضح گنجائش موجود ہے کہ خلفائے راشدین کے دستوری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فیصلوں پر عمل کرنا آج کے مسلمانوں کا صوابدیدی اختیار ہے ۔

تعاملِ خلفائے راشدین کا درجہ قرآن و سنت کے برابر یقیناً نہیں ہے لیکن ان دونوں کے بعد ضرور ہے ۔ خلفائے راشدین نے خود اپنے فیصلوں کو ہر دور کے لیے حجت نہیں ٹھہرایا لیکن انہیں قانونی حیثیت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے ۔

ابن سعد ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

"فاقتدوا بالذين من بعدي واشار الى أبي بكر وعمر"[۱]

"پس تم لوگ ان لوگوں کی پیروی کرنا جو میرے بعد ہوں گے اور آپ نے ابوبکرؓ و عمرؓ کی طرف اشارہ کیا ۔"

اگرچہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس خطاب کے براہ راست مخاطب وہ لوگ تھے جو اس وقت آپ کے سامنے موجود تھے لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم قرآنی احکامات کی طرح اپنے اندر نفاذ کی دائمی صلاحیت رکھتا ہے ۔

ایک اور حدیث ہے جو عرباض بن ساریہ سے مروی ہے :

ستروں من بعدي اختلافاً شديداً فعليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين عضوا عليها بالنواجذ[۲]

"اور تم میرے بعد سخت اختلاف دیکھو گے تو تم پر لازم ہے کہ تم میری سنت اور خلفائے راشدین ہدایت یافتہ لوگوں کی سنت دانتوں کے ساتھ مضبوطی سے پکڑے رہنا ۔"

خلفائے راشدین کے دستوری فیصلوں کی قانونی حیثیت اس وجہ سے بھی ہے کہ صحابہ کرامؓ ہی وہ شخصیات ہیں جو اسلام کے اس اولین دور میں موجود تھیں جب قرآن نازل ہو رہا تھا اور سنت تشکیل پا رہی تھی ۔ انہیں اس بات کا شرف حاصل ہے کہ انہوں نے قرآن کو براہ راست صاحب وحی سے سیکھا اور سنت کو بغیر کسی واسطے کے روبہ عمل دیکھا ۔ بعد کا کوئی شخص خوفِ خدا، بے غرضی اور قرآن فہمی میں ان کی گرد کو بھی نہیں چھو سکتا ۔ ان کا زمانہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے بعد بہترین زمانہ ہے ۔

عمران بن حصین روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا :

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خیر امتی قرنی ثم الذین یلونہم ثم الذین یلونہم"۔

"میری امت میں سب سے بہتر زمانہ میرا ہے پھر اُن کا جو اُن کے بعد متصل ہوں گے پھر ان کا جو ان کے بعد متصل ہوں گے۔

جنہوں نے قرآن و سنت کو براہِ راست صاحبِ شریعت سے سمجھا وہ اپنے بعد آنے والوں سے زیادہ یہ صلاحیت رکھتے ہیں کہ وہ قرآن و سنت کی زیادہ صحیح تعبیر کریں۔

اگر تعاملِ خلافتِ راشدہ سے دستوری قانون کے کسی مسئلہ میں کوئی نظیر نہ مل سکے تو پھر ماضی میں کیئے گئے مجتہدینِ امت کے فیصلوں، آراء اور اجماع سے رہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے۔ مجتہدین امت کے فیصلے اسلامی قانون کا قیمتی سرمایہ ہیں۔ انہیں بالکل پسِ پُشت نہیں ڈال دینا چاہیے لیکن ان فیصلوں یا ماضی کے کسی اجماع کو ہر زمانہ میں حجت قرار نہیں دیا جاسکتا یہ اسلامی دستوری قانون کی روح کو سمجھنے میں ہماری بہترین رہنمائی کر سکتے ہیں۔ لیکن بقول ڈاکٹر حمید اللہ صاحب ماضی کے کسی منعقدہ اجماع کو جدید تر اجماع سے منسوخ کیا جاسکتا ہے[2] اس لیے کہ اجتہادی قانون سازی وقتی اور قابل تبدیل ہوتی ہے اور ایسی قانون سازی ناقابلِ منسوخ اور ناقابل تبدیل شریعت کے تحت ہوتی ہے مجتہدین نے اپنے دور کے معاشرتی و سیاسی حالات میں اجتہادات کیئے اسی طرح اجماع بھی اپنے دور کے حالات سے متاثر ضرور ہوا کرتا ہے اور حالات ایک جیسے نہیں رہتے۔ اسلیے ماسوائے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی فرد یا ادارہ اپنے بعد کے زمانہ کے لوگوں کو اپنے فیصلوں کا پابند نہیں بنا سکتا۔ ماضی کے کسی اجماع سے استفادہ کیا جاسکتا ہے لیکن کسی سابقہ اجماع سے مختلف فیصلہ کرنا حالات کا تقاضا ہو تو قدیم اجماع جدید اجماع سے منسوخ ہو جائے گا۔

لہٰذا اسلامی دستوری قانون کے بنیادی ماخذ تین ہی ہیں یعنی قرآن، سنتِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور تعامل خلفائے راشدین ان تینوں میں سے اگر کوئی دستوری حکم مل جائے تو اسے بے چون و چرا تسلیم کرنا ہوگا بقیہ دستوری تفصیلات مجتہدینِ امت اجتہاد سے طے کریں گے۔

۳۔ اقتدارِ اعلیٰ کا تصوّر

دستوری قانون میں جو چیز نہایت اہم ہوتی ہے وہ ریاست کے اقتدارِ اعلیٰ کا تعین ہے کہ یہ کس کے پاس ہو۔ اسلامی اور غیر اسلامی دستوری قانون میں ایک خطِ امتیاز اقتدارِ اعلیٰ کا تصوّر ہے۔ مقتدرِ اعلیٰ وہ ذات ہوتی ہے جو اعلیٰ ترین طاقت استعمال کرے جسے ریاست میں سب سے اعلیٰ اختیارات حاصل ہوں اور مقتدرِ اعلیٰ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی یہ حالت یا خصوصیت اقتدارِ اعلیٰ کہلاتی ہے[۲۱] جو خود کسی قانون کا پابند نہیں ہوتی یہ حکم و اقتدار کا وہ بالاترین منبع ہوتا ہے جس کی اطاعت بے چون وچرا کی جاتی ہے۔ اسی قوت کی بدولت ایک ریاست رعایا اور دیگر اداروں سے اپنے احکامات منواتی ہے۔

کیا کوئی انسان یا انسانی ادارہ اقتدارِ اعلیٰ کا حامل ہو سکتا ہے اس سوال کے جواب کا انحصار اس بات پر ہے کہ وہ لازمی خصوصیات جو کسی مقتدرِ اعلیٰ میں ہونی چاہئیں کسی انسان یا ادارہ میں پائی جاتی ہیں یا نہیں۔

مقتدرِ اعلیٰ خود کسی قانون کا پابند نہیں ہوتا۔ اس کی اطاعت بے چون وچرا تسلیم کی جاتی ہے۔ کسی کی مکمل اور بے چون وچرا اطاعت کے لیے ضروری ہے کہ ایسا کرنا ناگزیر ہو۔ اور جس کی اطاعت کی جا رہی ہو وہ اس بات کا مستحق ہو کہ اس کی اطاعت کی جائے۔ اس سے مکمل عدل کی توقع ہو اور اس بات کا یقین ہو کہ وہ کبھی جانبدارانہ رویہ اختیار نہیں کرے گا۔ جبکہ بشری کمزوریوں کی وجہ سے انسان کا غیر جانبدارانہ کردار ہمیشہ شک کی زد میں رہتا ہے۔ ان کمزوریوں کے غالب آجانے پر وہ اپنے ہی جیسے انسان کے لیے قانون سازی کرتے وقت ان کا حق مارنے سے نہیں چوکتا۔ مزید یہ کہ انسان اپنے اس دعویٰ کے حق میں کوئی دلیل پیش نہیں کر سکتا کہ اسے اپنے ہی جیسے انسانوں پر مقتدرِ اعلیٰ بن بیٹھنے کا حق حاصل ہے۔ وہ معاشرہ جس میں انسان انسان کا حاکمِ اعلیٰ بن جائے اس میں عدل قائم نہیں ہو سکتا۔ انسان خواہ اپنے بنائے ہوئے قانون کا خود پابند نہ ہو لیکن اسے بعض فطری اور اخلاقی قوانین کا پابند ضرور ہونا پڑتا ہے۔ عالمی برادری کا دباؤ اس کے ارادے کو متزلزل اور تبدیل کر سکتا ہے۔ عوام کی پسند و ناپسند اس کے فیصلوں پر اثر انداز ہو سکتی ہیں[۲۲]

ماسوائے نبی کے کوئی بھی انسان غلطی سے مبرا نہیں کیونکہ انسان کی عقل و علم محدود ہے۔ انسان کے خالق اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

"وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا"[۲۳]

"اور تم کو علم میں سے بہت قلیل دیا گیا ہے۔

انسان کے پاس کسی بھی معاملے کی حقیقت جاننے کے وسائل محدود ہیں۔ اپنے جیسے انسانوں کے مزاجوں، ضرورتوں اور مصلحتوں سے مکمل طور پر آگاہ نہیں ہو سکتا۔ اس لیے اس بات کا امکان ہے کہ انسانی مقتدرِ اعلیٰ کوئی حکم دے لیکن اس کا حکم معاشرے کے لیے سود مند ثابت نہ ہو بلکہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نتیجہ برعکس نکلے۔

اقتدارِ اعلیٰ ناقابلِ تقسیم ہوتا ہے اگر انسان کو مقتدرِ اعلیٰ بنا دیا جائے تو ملک میں اقتدارِ اعلیٰ عملی طور پر تقسیم ہو جاتا ہے۔ مقننہ قانونی اقتدارِ اعلیٰ کی دعویدار ہوتی ہے۔ سیاسی اقتدارِ اعلیٰ عوام کے پاس ہوتا ہے یوں اقتدارِ اعلیٰ نہ صرف منقسم بلکہ غیر معین بھی ہو جاتا ہے اور ایک منقسم اقتدارِ اعلیٰ حاکمیت بلاشرکتِ غیرے کی صفت سے عاری ہو جاتا ہے۔

اسلامی دستوری قانون کی اساسی خصوصیت یہ ہے کہ اقتدارِ اعلیٰ صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اللہ ہی وہ ذاتِ برحق ہے جو حقیقی اقتدارِ اعلیٰ کی تمام تر صفات سے متصف ہے وہ ان تمام عیوب سے یکسر پاک ہے جو کسی مقتدرِ اعلیٰ کی حیثیت کو کم کر سکیں۔ لہٰذا تمام تر اقتدارِ اعلیٰ کا حقیقی مالک اور سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور صرف وہی حقیقی و اصلی شارعِ قانون ہے۔

اللہ تعالیٰ کے مقتدرِ اعلیٰ ہونے کی ایک دلیل یہ ہے کہ وہ ہی سب کا خالق ہے۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ [۲۴]

"اس نے آسمانوں اور زمین کو برحق پیدا کیا"

اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ [۲۵]

وہی مخلوق کا پیدا کرنے والا ہے اور اس کی مخلوق پر حکم بھی اس کا چلے گا۔

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّاۤ اِيَّاهُ [۲۶]

فرمانروائی کا اقتدار اللہ کے سوا کسی کے لیے نہیں ہے اس کا حکم ہے کہ خود اس کے سوا تم کسی کی بندگی نہ کرو۔

کائنات اور اس کی ہر چیز پر اللہ تعالیٰ کی حاکمیتِ اعلیٰ بلاشرکتِ غیرے ہے اُس کے اس اقتدارِ اعلیٰ میں کوئی اور شریک نہیں۔

وَلَا يُشْرِكُ فِىْ حُكْمِهٖۤ اَحَدًا [۲۷]

وہ اپنی حکومت میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔

لَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِى الْمُلْكِ [۲۸]

اور نہ ہی بادشاہی میں اس کا کوئی شریک ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خود انسان کو اللہ تعالیٰ کے اقتدارِ اعلیٰ میں کوئی دخل نہیں اور نہ ہی انسان کو اللہ تعالیٰ کے اقتدار اعلیٰ میں سے کچھ حاصل ہے حاکمیت اعلیٰ کے تمام تر اختیارات اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس رکھے ہوئے ہیں:

یقولون هل لنا من الامر من شیٔ قل ان الامر کله لله[۲۹]

"یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس کام کے چلانے میں ہمارا بھی کوئی حصہ ہے ان سے کہو (کسی کا کوئی حصہ نہیں) اس کام کے سارے اختیارات اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا اقتدار اور حکم ہر چیز پر غالب ہے اور وہ خود کسی کا پابند نہیں ہے بلکہ کائنات کی ہر شے اس کے بنائے ہوئے قانون کی مطیع ہے۔

تبارك الذی بیده الملك وهو علی كل شیٔ قدیر[۳۰]

نہایت بزرگ و برتر ہے وہ جس کے ہاتھ میں (کائنات کی) سلطنت ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

اس کے ارادہ و حکم پر کوئی اثر انداز نہیں ہو سکتا اور اس کے فیصلے ہر قسم کے دباؤ سے آزاد ہوتے ہیں۔

ویفعل الله ما یشاء[۳۱]

اللہ تعالیٰ ایک ایسا مقتدرِ اعلیٰ ہے جسے اپنی تمام مخلوق کی ضروریات کا بلاشبہ حقیقی علم ہے وہ جانتا ہے کہ اس کے بندوں کا کس چیز میں فائدہ ہے اور کون سی چیز ان کے لیے نقصان دہ ہے۔ اللہ تعالیٰ سے یہ بعید ہے کہ وہ انسانوں کے ساتھ ناانصافی کرے اپنے بندوں کے ساتھ معاملات اور رویہ میں اللہ تعالیٰ سے زیادہ مشفق کوئی اور نہیں ہو سکتا۔

وان الله لیس بظلام للعبید[۳۲]

"اور بے شک اللہ اپنے بندوں کے لیے ظالم نہیں۔

ان الله بالناس لرءوف رحیم[۳۳]

بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں کے حق میں بڑا مشفق ہے"

اللہ تعالیٰ کی ذات ہر قسم کی غلطی اور خطا سے پاک ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ اسے اپنے کسی جاری کردہ حکم کو کسی غلطی کی نشاندہی یا احساس ہونے پر واپس لینا پڑ گیا ہو۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فَسُبۡحٰنَ الَّذِیۡ بِیَدِهٖ مَلَكُوۡتُ كُلِّ شَیۡءٍ ۳۴؎

پاک ہے وہ جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا مکمل اقتدار ہے "۔

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی بشری کمزوریوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ان کی مصلحت کی خاطر تمام احکامات بیک وقت نازل نہیں کر دیے تھے بلکہ انسانی طبیعت کو مائل کرتے ہوئے تدریجی اقدامات کیے جس کی مناسبت سے بعض اوقات تبدیلیٔ احکامات ہوتی رہی۔ ماہر ڈاکٹر کی دوا کی طرح جب کسی حکم کا منشا پورا ہو جاتا تو پھر اس کی بجائے اس جیسا کوئی اور یا اس سے بہتر حکم نازل کر دیا جاتا۔

مَا نَنۡسَخۡ مِنۡ اٰیَةٍ اَوۡ نُنۡسِهَا نَاۡتِ بِخَیۡرٍ مِّنۡهَاۤ اَوۡ مِثۡلِهَا ۳۵؎

ہم اپنی جس آیت کو منسوخ کر دیتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں تو اس کی جگہ اس سے بہتر لاتے ہیں یا کم از کم ویسی ہی۔

۴۔ خلافت کی اصطلاح اور نظام حکومت

لغوی طور پر خلافت عربی زبان کا لفظ ہے خَلَفَ یَخۡلُفُ کا مطلب جانشین ہونا ہے ۳۶؎ خلافت ایک قرآنی اصطلاح ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب انسان کو تخلیق کرنے کا ارادہ کیا تو اللہ کا فرشتوں سے خطاب یوں تھا:

اِنِّیۡ جَاعِلٌ فِی الۡاَرۡضِ خَلِیۡفَةً ۳۷؎

" میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں۔

اللہ نے انسان کو اپنا خلیفہ یعنی جانشین اور نائب قرار دے کر دنیا میں اس کے مقام و مرتبہ کا تعین کر دیا اور خلیفہ کے نام سے موسوم کر کے یہ واضح کر دیا کہ اسے دنیا میں اقتدار اعلیٰ یا آزادانہ تصرف و اختیار حاصل نہیں بلکہ وہ اللہ کی ہدایت کے مطابق اور مقررہ حدود میں رہ کر تفویض کردہ اختیارات کو استعمال کرنے کا پابند ہے۔ انسان مقتدر اعلیٰ نہیں ہے بلکہ خلیفۃ اللہ ہے۔ ہر انسان فرداً فرداً بھی حقیقی مقتدر اعلیٰ اللہ تعالیٰ کے سامنے جوابدہ ہے اور اجتماعی طور پر بھی۔ ابن عمرؓ کی ایک روایت ہے حضورؐ نے فرمایا:

اَلَا كُلُّكُمۡ رَاعٍ وَكُلُّكُمۡ مَسۡئُوۡلٌ عَنۡ رَعِیَّتِهٖ ۳۸؎

سنو کہ تم میں سے ہر شخص نگران ہے اور تم میں سے ہر شخص سے اپنی رعیت کے بارے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں باز پرس ہوگی۔

اجتماعی طور پر بھی پوری امت اللہ تعالیٰ کی نائب اور خلیفہ ہے۔ اجتماعی معاملات میں کوئی فرد خواہ وہ کتنا ہی ایمان دار صالح اور متقی کیوں نہ ہو وہ ذاتی طور پر اللہ کی زمین پر خدائی خلافت کا دعویدار نہیں بن سکتا۔

وھو الذی جعلکم خلائف الارض [39]

"اور وہی ہے جس نے تم کو زمین کا خلیفہ بنایا۔

اسلامی دستوری قانون میں امت کا اصل مقام خلافت و نیابت ہے حاکمیت نہیں۔ اور اس اجتماعی خلافت میں کسی شخص کی اجارہ داری نہیں بلکہ پوری امت کا حق ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال مبارک کے بعد جب حضرت ابوبکرؓ کو اسلامی ریاست کا حکمران منتخب کیا گیا تو بعض لوگوں نے آپ کو خلیفۃ اللہ کے لقب سے پکارا آپؓ نے خود کو خلیفۃ اللہ کہلوانا پسند نہ کیا۔ کیونکہ آپ جانتے تھے کہ یہ خلافت صرف انہی کے پاس نہیں بلکہ پوری امتِ مسلمہ کے پاس ہے آپؓ نے فرمایا:

لست بخلیفۃ اللہ ولکننی خلیفۃ رسول اللہ أنا راض بذلک [40]

"میں خلیفۃ اللہ نہیں ہوں بلکہ خلیفۃ الرسول ہوں اور میں اس پر راضی ہوں۔"

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال مبارک کے بعد عہد ابوبکرؓ سے لے کر عہد علیؓ (۱۱ھ تا ۴۰ھ) تک کے دور کو خلافتِ راشدہ کا عہد کہا جاتا ہے۔ خلافت کا یہ نظام اپنی خصوصیات کے اعتبار سے ایک جدید نظام تھا۔ اسلامی مملکت کا دستوری و سیاسی ڈھانچہ اسلام کے حقیقی تصورِ خلافت پر قائم تھا۔ مملکت کا اقتدارِ اعلیٰ اللہ تعالیٰ کے پاس تھا۔ امت اللہ تعالیٰ کی خلافت و نیابت میں عطا کردہ اختیارات کو استعمال کرتی۔ حکمران امتِ مسلمہ کا ایک فرد تھا اور پوری امت کی طرف سے ایک نمائندہ کے طور پر مملکت کا انتظام و انصرام کرتا۔ الغرض تصورِ خلافت اپنی حقیقی روح میں نافذ تھا۔ خلافت کے اس تصور کے سوا دیگر سیاسی امور میں خلافتِ راشدہ کے دور میں حکمت عملی مختلف اوقات میں مختلف ہوتی رہی۔ لیکن خلافت کی روح برقرار تھی۔

لہٰذا خلافت نظامِ حکومت کا نام نہیں بلکہ اس کی روح ہے نظام حکومت کا نام کوئی بھی ہو لیکن اس کی روح خلافت کی ہی ہونی چاہیے۔ اسلامی دستوری قانون میں نظام حکومت کے لیے خلافت کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اصطلاح بطور نام اختیار کرنا لازمی نہیں ہے۔ شرعی طور پر مسلمانوں کو کسی خاص نظام حکومت کا پابند نہیں بنایا گیا ہر زمانے میں بہترین طرز حکومت کے بارے میں اختلاف چلا آیا ہے۔ مسلمان کوئی بھی طرز حکومت اختیار کر سکتے ہیں اپنے نظام حکومت کو کوئی بھی نام دے سکتے ہیں لیکن اس نظام کی روح میں تصور خلافت جھلکنا چاہیے۔ خلافتِ راشدہ کا عہد بلاشبہ مسلمانوں کے لیے ایک آئیڈیل ہے جس کے مزاج اور روح کو اسلامی ریاست و حکومت کی تشکیل کے وقتِ امتِ مسلمہ کو پیشِ نظر رکھنا ہوگا۔

ریاست کی ہئیت اور اس کا مقصدِ وجود

اسلامی دستوری قانون میں ریاست کا تصور کسی اور نظریہ و فلسفہ کے حامل دستوری قانون کے تصور سے بہت مختلف ہے۔ جب کسی ریاست کو اسلامی دستور کے تناظر میں دیکھا جائے گا تو یہ بات اہم نہیں ہوگی کہ اس کے نام کے شروع میں لفظ "اسلامی" کا اضافہ ہے۔ اسی طرح ایک ریاست میں کسی مقدس مقام کی موجودگی یا اس میں مسلمانوں کا کثرت سے ہونا اسے اسلامی تشخص نہیں دے دیتا۔ اسلام کسی ریاست کی ہئیتِ ترکیبی یا اس کی کسی خاص شکل پر اصرار نہیں کرتا۔ اور نہ ہی ریاست کی حکومت کے کسی خاص طرز پر زور دیتا ہے۔ بلکہ وہ اس کے مزاج اور کارکردگی سے بحث کرتا ہے اور اس بات کو اہمیت دیتا ہے کہ خود اسے یعنی اسلام کو اس ریاست میں کیا مقام حاصل ہے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب نے محیط رضی الدین سرخسی مخطوط استانبول (ورق ۵-۶ ب) سے امام ابو یوسف اور امام محمد کا ایک قول نقل کیا ہے کہ کسی ملک کے اسلامی یا غیر اسلامی ہونے کا امتیاز یہ ہے کہ وہاں غلبہ اور اقتدار کس قوت کو اور کس قوم کو حاصل ہے۔ تعداد سے بحث نہیں [illegible] لہٰذا ایک ایسی مملکت اسلامی ہو سکتی ہے جس میں مسلمان تعداد کے لحاظ سے اقلیت میں ہوں مگر غلبہ و اقتدار اسلام کو حاصل ہو۔ اور ایک ایسی ریاست غیر اسلامی ہو سکتی ہے جس میں مسلمان تعداد کے لحاظ سے اکثریت میں ہوں لیکن امورِ مملکت دینِ اسلام کے تابع نہ ہوں۔ اور اللہ اور اس کے رسول کے احکامات کی فرمانروائی نہ ہو۔ اگرچہ وہ مملکت دستوری طور پر یہ تسلیم کرے کہ اس کا سرکاری مذہب اسلام ہے۔ اسے مسلم ریاست تو کہا جا سکتا ہے اسلامی نہیں۔

اسلامی ریاست کا قیام بذاتِ خود کوئی مقصد نہیں ہے بلکہ مقصد کے حصول کا ایک ذریعہ ہے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے دستوری طور پر تمام تحفظات فراہم کرنا ہوں گے۔ اور وہ مقصد یہ ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ مسلمان اپنی زندگیاں اپنے دین کے تقاضوں کے مطابق بسر کریں افراد کا ایک ایسا گروہ تیار ہو جو بھلائی کی طرف بُلائے۔ منکرات سے منع کرے۔ عدل کی حمایت اور ظلم و زیادتی کے خلاف اٹھ کھڑا ہوتا کہ زمین فساد سے پاک ہو جائے۔ اسلامی مملکت کا قیام مسلمانوں کے دین و ایمان کی سلامتی اور امتِ مسلمہ کی اجتماعی ذمہ داریوں اور واجبات کی ادائیگی کے لیے ضروری ہے۔

فقہ اسلامی کا ایک اصول ہے:

مالا یتم الواجب الا بہ فھو واجب[42]

یعنی جو چیز کسی واجب کی ادائیگی کے لیے ضروری ہے وہ بھی واجب کے حکم میں داخل ہے لہٰذا اسلامی ریاست کا قیام بھی واجب ہوا۔

اسلامی ریاست کا مقصدِ وجود یہ ہے کہ اللہ کی زمین پر اللہ کا قانون نافذ ہو اسی کا حکم چلے۔ مخلوق اپنے خالق کی تابعدار ہو۔ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء اور رُسل اسی مقصد کے لیے مبعوث کئے اور اسی مقصد کو حاصل کرنے کے لیے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں اسلامی ریاست بالفعل قائم کی۔

۶۔ امورِ سلطنت اور اصولِ شوریٰ

شوریٰ عربی زبان کا لفظ ہے۔ "شَارَ یَشُوْرُ شَوْرًا و شِیَارَۃً و مَشَارًا و مَشَارَۃً۔ العسل[43] یعنی شہد کے چھتے سے شہد نکالنا۔

اور شَاوَرَہٗ فی الامر کسی سے کسی امر میں مشورہ طلب کرنا تَشَاوَرَ: ایک دوسرے سے مشورہ طلب کرنا اور الشوریٰ تَشَاوَرَ کا اسم ہے[44]

اسلام میں شوریٰ کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ قرآن مجید میں ایک سورت اس کے نام سے موجود ہے[45] اسی سورت میں اللہ پر ایمان لانے والوں اور اس پر توکل کرنے والوں کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے کہا گیا ہے:

وَالَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ[46]

اور جو اپنے رب کا حکم مانتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور اپنے معاملات آپس کے مشورے سے چلاتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مندرجہ بالا آیت سے جو حکم مستنبط کیا جاتا ہے وہ عام ہے اور پوری امت کے لیے ہے[47]
قرآن مجید کی ایک اور آیت سے نبیؐ کو مخاطب کر کے کہا جا رہا ہے :

وشاورهم في الأمر فإذا عزمت فتوكل على الله إن الله يحب المتوكلين[48]

ہر کام میں ان سے مشورہ کرو اور جب تمہارا عزم کسی رائے پر پختہ ہو جائے تو اللہ پر بھروسہ کرو اللہ کو وہ لوگ پسند ہیں جو اسی کے بھروسے پر کام کرتے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشورہ کرنے کے قرآنی حکم کو بالفعل قائم کر کے امت پر یہ واضح کر دیا کہ ان کے اجتماعی معاملات باہمی مشورے سے طے ہوں گے اور ان کے دستور میں مشاورت کا اصول لازمی ہوگا۔

مسلمانوں اور کفار مکہ کے مابین پہلے معرکے کے بعد رسول اکرمؐ نے اسیران بدر کے معاملے میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کی رائے کو پسند فرماتے ہوئے اسیران کو فدیہ لے کر چھوڑ دینے کا فیصلہ کیا[49]
غزوۂ احد کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مسلمانوں سے باہمی مشورہ کے بعد فیصلہ کیا کہ مدینہ شہر سے نکل کر باہر لڑا جائے گا[50] غزوۂ خندق کے موقع پر آپؐ نے حضرت سلمان فارسیؓ کی تجویز پر شہر مدینہ کے اردگرد حفاظتی خندق کھدوائی[51]

خلیفۂ ثانی حضرت عمرؓ کو اپنے دورِ خلافت میں جب کوئی مشکل پیش آتی تو آپ اہل الشوریٰ سے مشورہ طلب فرماتے[52] آپ نے ان کے مشورہ پر عمل کرتے ہوئے ۱۷ ھ میں ملک شام کی طرف سفرِ جہاد کا ارادہ ترک کر دیا تھا[53] حضرت عمرؓ کا فرمان ہے کہ مسلمانوں پر واجب ہے کہ ان کے کام ذی رائے اصحاب کے مشوروں سے انجام پذیر ہوں[54]

اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عہد نبویؐ اور اس کے بعد خلافتِ راشدہ کے دور میں جو دستوری رواج تھے یا جو غیر تحریری دستور تھا اس کی اساسی خصوصیات میں یہ بات بھی شامل تھی کہ امور سلطنت باہمی مشورے سے طے پاتے تھے۔

عقل بھی اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ وہ تمام امور جن کے ساتھ ایک سے زائد افراد کے مفادات وابستہ ہوں ان کے بارے میں فیصلہ متعلقہ افراد کے مشورے سے ہی ہو۔ کسی فرد کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نجی معاملے میں اسے حق ہے کہ وہ دوسروں سے مشورہ کیے بغیر جو چاہے فیصلہ کرے لیکن مشترکہ امور کا فیصلہ کرنے میں ایک فردِ مختارِ کل اور آمرِ مطلق نہیں بنایا جا سکتا۔ بلکہ دوسرے لوگ بھی اپنے اپنے مفادات کی وجہ سے فیصلے میں شریک ہوں گے۔ اجتماعی امور میں ذاتی رائے سے فیصلہ کرنا اور من مانی سے کام لینا ایک بہت بڑی ذمہ داری ہے جس کی سنگینی کا صحیح احساس کرنے والا شخص اس کے نتائج و عواقب اپنے کھاتے میں ڈالنا پسند نہیں کرے گا بلکہ ایسے امور میں فیصلہ کرتے وقت دوسروں کو شریکِ مشورہ کر کے ذمہ داری کے بوجھ کو بانٹے گا۔ اجتماعی امور میں ذاتی رائے سے اور تنِ تنہا فیصلہ کرنے کی جرأت بقول مولانا مودودی وہی لوگ کر سکتے ہیں جو خدا سے بے خوف اور آخرت سے بے فکر ہوتے ہیں[55]

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت کی اجتماعی رائے پر اتنا اعتماد تھا کہ آپؐ نے فرمایا:

لا تجتمع امتی علی الضلالۃ[56]

میری ساری امت گمراہی پر اکٹھی نہیں ہوگی۔

امت میں جب اپنے اجتماعی امور شوریٰ کے اصول پر طے کرنے کا رواج ہو تو کسی غلط فیصلہ کی طرف لے جانے والی رائے کے سدِ باب کے لیے صائب الرائے اور صالح افرادِ امت کی رہنمائی کریں گے اور پوری قوم کی مجموعی سوچ کو ضلالت و گمراہی کی طرف نہیں جانے دیں گے۔

اہل الشوریٰ کون؟

شوریٰ کا لغوی معنیٰ شہد کے چھتے سے شہد نکالنا ہے۔ اتنا اہم کام اناڑی لوگوں کے سپرد نہیں کیا جا سکتا۔ امورِ مملکت اور قانون سازی میں مشورہ انہی لوگوں سے لیا جائے گا جو اس کام کی صلاحیت رکھتے ہوں اور یہ صلاحیت ان کے شخصی کردار، تعلیم، پیشہ اور تجربہ وغیرہ سے معلوم کی جا سکتی ہے۔ ایک اسلامی ریاست میں چونکہ تمام امور کی انجام دہی اور قانون سازی قرآن و سنت کے مطابق ہوتی ہے اس لیے اہل الشوریٰ وہ افراد ہوں گے جو قرآن و سنت کا علم رکھتے ہوں۔ قانون سازی میں شریعت کی مصلحتوں کو جانتے ہوں امتِ مسلمہ کے عصری تقاضوں اور ضرورتوں کے نبض شناس ہوں اور اس کے ساتھ ساتھ ذاتی طور پر تقویٰ یعنی خوفِ خدا جیسی بنیادی صفت سے متصف ہوں۔ ان میں مجتہدانہ جوہر کا پایا جانا ضروری ہے جو نصوص سے تعبیرِ احکام کر سکتے ہوں۔ اور ظاہری بات ہے کہ اتنا اہم کام ہر کس و ناکس نہیں کر سکتا۔ امت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اپنے منتخب اور مندرجہ بالا صفات کے حامل باصلاحیت نمائندوں پر یہ بوجھ ڈال سکتی ہے جو پوری امت کی طرف سے نیابت کے طور پر یہ کام کریں گے۔ اگر قومی نوعیت کا کوئی ایسا مسئلہ ہے کہ عوام کی رائے لینا ضروری ہے تو ایسا بھی کیا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ آج کل ریفرنڈم کی صورت پائی جاتی ہے۔ مشورے کے ضمن میں یہ بات بھی اہم ہے کہ حکمران کو یہ صوابدیدی اختیار حاصل نہیں ہونا چاہیے کہ وہ جس سے چاہے مشورہ لے بلکہ ریاست میں باصلاحیت افراد کا ایک باقاعدہ ادارہ ہونا چاہیے قرآن مجید کی آیت ہے:

وامرھم شوریٰ بینھم[۵۷]

اور وہ اپنے معاملات آپس کے مشورے سے چلاتے ہیں۔

مندرجہ بالا آیت میں اشارۃ النص یہ ہے کہ اسلامی مملکت میں باصلاحیت افراد کا ایسا گروہ لازمی طور پر موجود ہونا چاہیے جن کو شریک مشورہ کیا جا سکے افراد کے ایسے گروہ یا ادارے کو مجلس شوریٰ، مقننہ، مشاورتی کونسل، مجلس قانون ساز، پارلیمنٹ یا کوئی اور نام دیا جا سکتا ہے۔ اہم چیز نام نہیں بلکہ اس کی روح ہے کہ ریاست کے تمام امور اسلام کے اصولِ مشاورت کے مطابق سرانجام پائیں۔

شوریٰ کے فیصلوں کی نوعیت

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارک تھی کہ جن قومی معاملات میں آپ کو بذریعہ وحی کوئی حکم نہ دیا جاتا ان میں آپ مسلمانوں کو شریکِ مشورہ کرتے۔ خلفائے راشدین بھی اہل الشوریٰ سے مشورے کے بعد فیصلے کرتے۔ البتہ بعض ہنگامی حالات میں چند واقعات ایسے بھی نظر آتے ہیں جن میں کسی خلیفہ راشدؓ نے اکابر صحابہؓ کی رائے کے برعکس عمل کیا۔ مثال کے طور پر لشکر اسامہؓ کو روانہ کرنے کا واقعہ۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اصحاب کے مشورہ کے برعکس لشکر اسامہؓ کو روانہ کرنے کا حکم دیا[۵۸] اسی طرح انہوں نے صحابہؓ کی رائے کے برعکس منکرین زکوٰۃ کی سرکوبی کے لیے لشکر روانہ کئے[۵۹] ان واقعات سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خلیفہ راشد کو شاید شوریٰ کے فیصلوں اور مشوروں کے خلاف ویٹو کے اختیارات حاصل تھے۔ ایسا کہیں بھی ثابت نہیں ہے کہ خلفائے راشدین کو ویٹو کے اختیارات تفویض کئے گئے ہوں۔ مسلمانوں نے حضرت ابوبکر صدیق کے فیصلوں کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سامنے اپنے سر اس لیے تسلیم خم کر دیے تھے کہ انہیں آپ کی ذہنی فراست، خوفِ خدا اور معاملہ فہمی پر مکمل بھروسہ تھا۔ دوسرے خلیفہ راشد حضرت عمرؓ جیسے طاقتور حکمران نے خود کو شوریٰ کے فیصلوں کا پابند بنایا۔ اور خلافت راشدہ کے نظام کو اس کی مکمل روح کے ساتھ بامِ عروج تک پہنچا دیا۔

آج کے مادہ پرستی کے دور میں عالمِ اسلام کی مجموعی طور پر جو معاشرتی حالت ہے اس میں کسی حکمران میں خلفائے راشدین جیسی صفات کا پایا جانا (الا ماشاء اللہ) مشکل ہی نہیں ناممکن بھی نظر آتا ہے ان حالات میں کسی فردِ واحد کو لامحدود اختیارات دے دینا یا اسے مشورے سے مستثنیٰ قرار دے دینا امتِ مسلمہ کے مفاد کے خلاف ہوگا۔ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے بڑی پیاری بات کہی ہے آج اگر ابوبکرؓ و عمرؓ و علیؓ زندہ ہوں تو وہ انہیں بخوشی سارے آمرانہ اختیارات سونپنے کے لیے آمادہ ہیں کیونکہ انہیں ان کی خداترسی پر پورا پورا اعتماد ہے اس کے برعکس آج اگر یزید زندہ ہو تو وہ اس کو برطانیہ کے مہر لگنے والے بادشاہ کے برابر بھی اپنا حکمران بنانے کو تیار نہیں[۶]

اسلامی دستور میں یہ بات طے ہوگی کہ حکمران کو شوریٰ یا پالیمنٹ کے فیصلوں کے خلاف ویٹو کا حق نہیں بلکہ ان فیصلوں کی پابندی کرنا اس پر لازم ہوگا اور جو فیصلہ مجلس شوریٰ یا پارلیمنٹ میں کثرتِ رائے سے ہو جائے اسے منسوخ کرنا یا اس میں ترمیم کرنے کا اختیار بھی مجلس شوریٰ یا پارلیمنٹ کو ہی حاصل ہوگا۔

اگر کسی قسم کا کوئی تنازعہ ہو جائے۔ یہ تنازعہ خواہ سربراہِ ریاست اور سربراہِ حکومت کے درمیان ہو یا مرکز اور صوبوں کے درمیان ہو یا دو سے زیادہ صوبوں کے درمیان ہو وغیرہ وغیرہ ایسے تنازعات کے حل کے لیے قرآن مجید نے یہ اصول دے دیا ہے:

فإن تنازعتم في شيء فردوه إلى الله والرسول[۷]

پھر اگر تمہارے درمیان کسی معاملہ میں نزاع ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف پھیر دو۔

مسلمانوں کے تمام باہمی تنازعات کی صورت میں اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی قرآن و احادیث کو ثالث بنایا جائے گا۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں فیصلہ کرنے کا اختیار ایک ثالث ادارے کے سپرد ہو۔ یہ ادارہ سپریم کورٹ ہو سکتی ہے یا شریعت و قانون اور عصری مسائل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے آگاہ ماہر افراد کی کوئی مجلس ہوسکتی ہے یہ ثالثی ادارہ ایسے تنازعات کے تصفیہ کے ساتھ ساتھ دستورِ مملکت کے نگران کا کردار بھی ادا کر سکتا ہے۔ ایسے ادارے کا وجود عدلیہ یا مقننہ کی حیثیت کو متاثر نہیں کرے گا اور ایسے ادارے کا قیام یا یہ طریقہ کار ناقابلِ عمل نہیں ہے۔ امریکی کانگریس کے بنائے ہوئے قوانین کو عدالت میں چیلنج کیا جا سکتا ہے[۶۲] بھارت، آسٹریلیا اور کینیڈا جیسے ممالک میں بھی سپریم کورٹ کو سینٹ اور اسمبلی کے منظور شدہ قانون کو ختم کرنے کا اختیار ہے اگر ان قوانین میں آئین کے خلاف کوئی بات ہو[۶۳]

۷۔ حزب اختلاف کی دستوری حیثیت

اسلامی دستور کے تحت چلنے والی مجلس شوریٰ / پارلیمنٹ میں ایسی حزبِ اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں ہے جس کا کام حکومت کے ہر اقدام کو ہدفِ تنقید بنانا، پارلیمنٹ میں اپنی اقلیت کو اکثریت میں تبدیل کرنے کے لیے جوڑ توڑ کرنا۔ حکومت کی کمزوریوں کو اچھالنا اور اس کے خلاف رائے عامہ کو ہموار کرنا وغیرہ ہوتا ہے اسلامی دستوری قانون میں کسی ایسی حزبِ اقتدار کا بھی کوئی کردار نہیں ہے جو حکومت کے ہر جائز و ناجائز عمل کی حمایت میں ہاتھ کھڑے کر دے اور ہاں کا ووٹ دے۔ ایک اسلامی مملکت کی مجلسِ شوریٰ / پارلیمنٹ کے اراکین حزبِ اقتدار اور حزبِ اختلاف کی شکل میں دو گروہوں میں بٹے ہوئے نہیں ہوں گے بلکہ اس کے اراکین قرآنِ مجید کے درجِ ذیل اصول کے مطابق عمل کرنے کے پابند ہوں گے۔

وتعاونوا على البر والتقوىٰ ولاتعاونوا على الاثم والعدوان[۶۴]

جو کام نیکی اور خدا خوفی کے ہیں ان سب میں تعاون کرو اور جو گناہ اور زیادتی کے کام میں کسی سے تعاون نہ کرو۔

متذکرہ بالا آیت میں ایک اسلامی ریاست کی مجلس شوریٰ / پارلیمنٹ کی تمام تر کاروائیوں اور امور میں شرکت کا بنیادی اصول بیان کر دیا گیا ہے۔ اس کی مزید وضاحت حضرت ابوبکر صدیقؓ کے اس قول سے ہوتی ہے:

فان أحسنت فاعينوني وإن زغت فقوموني[۶۵]

اگر میں اچھا کام کروں تو میری مدد کرو اور اگر میں ٹیڑھا ہو جاؤں تو مجھے سیدھا کر دو۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حکومت کے نیکی اور بھلائی کے کاموں میں تعاون کی صورت میں پوری مجلسِ شوریٰ / پارلیمنٹ کے تمام ارکان حزبِ اقتدار ہوں گے اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی میں کیے جانے والے اقدامات میں عدم تعاون کا اعلان کر کے سب کو حزبِ اختلاف کا کردار ادا کرنا ہوگا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إن الناس اذا راوا المنكر فلا يغيرونه اوشك ان يعمهم الله بعقابه[۶۶]

منکر کو دیکھنے کے باوجود اگر لوگ اس کا ازالہ نہ کریں تو قریب ہے کہ اللہ ان سب کو اپنے عذاب کی لپیٹ میں لے لے۔

اپنی اپنی سیاسی جماعتوں میں پہلے سے طے کیے گئے فیصلوں کو لے کر پارلیمنٹ کی کارروائی میں حصہ لینا اور اپنی جماعتوں کی سیاسی پالیسی کو مدِنظر رکھ کر رائے دینا، مخصوص طبقوں کے مفادات کی جنگ لڑنا، محض حکومت کی مخالفت میں سچ چھپانا یا سچ کی حمایت نہ کرنا، کسی بل کی مخالفت محض اس لیے کرنا کہ یہ سرکاری بل ہے یا پرائیویٹ بل ہے یہ اور اس قبیل سے تعلق رکھنے والی دیگر سرگرمیاں قرآن کے اصولِ تعاون کے صریحاً خلاف ہیں۔

اسلامی دستوری قانون مشورہ اور رائے کو ایک امانت قرار دیتا ہے لہٰذا جس سے بھی مشورہ طلب کیا جائے وہ رکنِ مجلس شوریٰ / پارلیمنٹ خواہ حزبِ اقتدار سے تعلق رکھتا ہو یا حزبِ اختلاف سے اس پر لازم ہے کہ وہ نیک نیتی اور دیانتداری سے اس امانت کو لوٹائے یعنی سچی اور درست رائے دے۔

حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ابنِ مسعودؓ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

المستشار مؤتمن[۶۷]

جس سے مشورہ لیا جائے وہ امانتدار ہے (پس ایمانداری سے مشورہ دے اور امانت میں خیانت نہ کرے۔

نیکی کے کاموں میں سب حزبِ اقتدار کا کردار ادا کریں گے اور گناہ کے کاموں میں سب کو حزبِ اختلاف بنتے ہوئے عدم تعاون کا اعلان کرنا ہوگا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قرآن مجید کی واضح تنبیہہ ہے:

وإن تلوا او تعرضوا فإن الله كان بما تعملون خبيرا[68]

اگر تم نے لگی لپٹی بات کہی یا سچ سے پہلو بچایا تو جان رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کو اس کی خبر ہے۔

لہٰذا اسلامی دستوری قانون میں مروجہ شکل کی حزب اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اگر ایسی کوئی گنجائش ہوتی تو عبداللہ ابن اُبی جو غزوۂ احد کے موقع پر رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی اکثریت کے فیصلے کے خلاف اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر مسلمانوں کے لشکر سے یہ کہہ کر واک آوٹ کر گیا تھا کہ "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے میری رائے نہیں مانی"[69]۔ اس کے اس اقدام کو قانونی و دستوری قرار دیا جاتا۔ لیکن قرآن مجید نے عبداللہ ابن اُبی اور اس کے ساتھیوں کے اس اقدام کو منافقت قرار دیا:

وليعلم الذين نافقوا۔ وقيل لهم تعالوا قاتلوا في سبيل الله أو إدفعوا، قالوا لو نعلم قتالاً لا اتبعناكم۔ هم للكفر يومئذ اقرب منهم للإيمان۔ يقولون بأفواههم ما ليس في قلوبهم والله أعلم بما يكتمون[70]

اور تاکہ اللہ جان لے جنہوں نے منافقت کی۔ وہ منافق کہ جب انہیں کہا گیا کہ آؤ اللہ کی راہ میں جنگ کرو یا کم از کم (اپنے شہر کی) مدافعت ہی کرو۔ تو کہنے لگے: اگر ہمیں علم ہوتا کہ آج جنگ ہوگی تو ہم ضرور تمہارے ساتھ چلتے۔ یہ بات جب وہ کہہ رہے تھے اس وقت وہ ایمان کی نسبت کفر سے زیادہ قریب تھے۔ وہ اپنی زبانوں سے وہ باتیں کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہوتیں۔ اور جو کچھ وہ دلوں میں چھپاتے ہیں اللہ اسے خوب جانتا ہے۔

۸۔ منتخب حکمران

دستوری طور پر یہ بات طے ہوگی کہ اسلامی مملکت کا سربراہ، سربراہ حکومت اور مجلس شوریٰ / پارلیمنٹ کے اراکین وغیرہ عوام کی آزادانہ رائے سے منتخب اور معتمد علیہ نمائندے ہوں گے۔ اسلام میں کسی موروثی یا زبردستی کی حکمرانی کا تصور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہیں پایا جاتا۔ حکمرانی کسی کی جاگیر نہیں ہے اور نہ ہی اس منصب پر کسی خاندان یا طبقے کی اجارہ داری ہے۔ حکمران کے انتخاب کے لیے کسی خاندان نسل یا دولت کو نہیں بلکہ اہلیت کو مدنظر رکھا جائے گا۔ حضرت عمرؓ نے ایک غلام میں پائی جانے والی خوبیوں اور صلاحیتوں کی بنا پر اپنے جانشین کے بارے میں ذکر کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ اگر حذیفہ کا غلام سالم زندہ ہوتا تو وہ سب کچھ اسی کو سونپ دیتے[41]

اسلامی دستوری قانون میں یہ بات طے ہے کہ مسلمانوں کا حکمران انہی میں سے ہوگا۔ ارشادِ ربانی ہے:

یایھا الذین اٰمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول وأولی الأمر منکم[42]

اے لوگو جو ایمان لائے ہو اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحبِ امر ہوں۔

مندرجہ بالا آیت میں (اولی الأمر) کے بعد (منکم) کا لفظ آیا ہے یعنی جو حکمران تم میں سے ہو۔ لہٰذا مسلمان اپنے میں سے ہی کسی کو اپنا حکمران بنائیں گے اور اسی کی اطاعت کریں گے۔

حکمران کے انتخاب کا طریقۂ کار کیا ہو؟ شریعت اسلامی نے اس مسئلہ پر مصلحت آمیز اور حکمت بھری خاموشی اختیار کر کے ملتِ اسلامیہ کو یہ حق دیا ہے کہ وہ اپنی سمجھ اور زمانہ کے تقاضوں کے مطابق جو طریقہ چاہیں اختیار کر لیں۔ خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک انتخابی طریقہ کار کی تفصیلات کی اگر کوئی اہمیت ہوتی یا کسی ایک طریقہ کا تعین امت مسلمہ کے لیے ضروری ہوتا تو آپ اپنی وفات مبارک سے قبل اس بارے میں کوئی حکم فرما جاتے یا کسی ایک کو کسی طریقہ کے مطابق اپنا جانشین مقرر کر کے یہ مسئلہ حل فرما جاتے۔ لیکن آپ نے ایسا نہ کیا اور یہ ذمہ داری مسلمانوں پر ڈال گئے۔

دراصل اسلام ایک عالمگیر نظامِ زندگی ہے جو کسی خاص زمان و مکان تک محدود نہیں ہے جبکہ مملکتوں کی ہیئت، سیاسی اداروں کی تشکیل اور طریق کار مختلف علاقوں اور مختلف زمانوں میں مختلف ہوا کرتی ہے۔ لہٰذا حکمران کے انتخاب میں شریعتِ اسلامی کے مجموعی مزاج اور تعاملِ خلفائے راشدین کا لحاظ لازمی رکھا جائے گا۔ ان سے ہٹ کر اگر کوئی شخص حکمران بن بیٹھتا ہے اگرچہ وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو تو وہ بقول محمد اسد صاحب اسی طرح غیر قانونی ہوگا جیسے کوئی بیرونی حملہ آور مسلم امت پر مسلط ہو جائے[43]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چاروں خلفائے راشدین (واولی الامر منکم) کے حکم کے تقاضوں کے عین مطابق تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات مبارک کے بعد مدینہ کی اسلامی ریاست میں ہنگامی حالات پیدا ہو گئے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو سقیفہ بنی ساعدہ میں موجود افراد نے خلیفہ منتخب کیا تھا۔ سب سے پہلے حضرت عمرؓ نے ان سے بیعت کی۔ پھر وہاں پر موجود دیگر افراد نے بھی ان سے بیعت کر دی[74] سقیفہ بنی ساعدہ کے بعد مسجد نبوی میں عام بیعت ہوئی اور جمہور نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہاتھ پر بیعت کی[75]

خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ کو اگرچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنی وفات سے قبل نامزد کیا تھا لیکن انہیں نامزد کرنے سے قبل حضرت ابوبکرؓ نے مہاجرین وانصار سے مشورہ کیا[76] حضرت ابوبکرؓ کی حضرت عمرؓ کو نامزد کرنے کی وصیت کو مجمع عام میں پڑھ کر سنایا گیا اور سب نے بالاتفاق آپ کے حسن انتخاب کی تائید کی[77] اس طرح جمہور نے نامزدگی کی توثیق کر دی۔

حضرت عمرؓ نے اپنی شہادت سے قبل مرض الموت میں چھ آدمیوں (حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت سعدؓ) پر مشتمل ایک انتخابی کمشن قائم کر دیا۔ اس کمشن کو اختیار دیا کہ وہ اپنے میں سے کسی ایک کو خلیفہ بنا لیں۔ کمشن کے ایک رکن حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے شہر کے لوگوں سے ملاقاتیں کیں حتیٰ کہ راتوں کو بھی گشت کر کے ان سے خلیفہ کے انتخاب کے بارے میں رائے لی[78] جب حضرت عثمانؓ کے خلیفہ ہونے کا اعلان کیا گیا تو سب سے پہلے حضرت علیؓ نے ان سے بیعت کی پھر پے در پے لوگ آئے اور ان سب نے حضرت عثمانؓ سے بیعت کی[79]

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد مسلمانوں کے اصرار پر حضرت علیؓ نے خلیفہ بننا قبول کیا[80] اور مجمع عام میں ہی آپ کے ہاتھ پر لوگوں نے بیعت کی[81]

حضرت علیؓ پر جب قاتلانہ حملہ ہوا تو مرض الموت میں لوگوں نے آپ سے آپ کے بیٹے حضرت حسنؓ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کو پوچھا۔ آپ نے فرمایا: "میں نہ تم کو اس کا حکم دیتا ہوں اور نہ روکتا ہوں۔ تم لوگ اس کو بہتر سمجھ سکتے ہو"[82] اس طرح حضرت علیؓ نے بھی مسلمانوں کے حکمران کا انتخاب امت مسلمہ پر چھوڑ دیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چاروں خلفائے راشدین کے تعامل سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں کا حکمران انہیں میں سے اور ان کی آزاد رائے سے ہوگا۔ کسی کو امتِ مسلمہ پر زبردستی حکمران بنا دینے کا کوئی جواز اسلامی دستوری قانون میں نہیں ہے۔

اسلامیت کی شرط

مسلمانوں کا حکمران لازماً مسلمان ہوگا۔ وہ کسی غیر مسلم کو اپنا حکمران نہیں بنائیں گے۔ قرآن مجید کی آیت (وأولی الامر منکم) میں لفظ (منکم) اسی بات کا تقاضا کرتا ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ایک اسلامی ریاست عام ریاست نہیں بلکہ ایک نظریاتی ریاست ہے۔ جو ایک نظریہ کی ترویج اور ایک نظام کے غلبہ کے لیے کام کرتی ہے۔ اس مقصد میں کامیابی کے لیے مملکت کی باگ ڈور بھی انہی لوگوں کے سپرد کی جائے گی جو اس نظریہ پر نہ صرف دل و جان سے ایمان رکھتے ہوں بلکہ اسے قابلِ عمل بھی سمجھتے ہوں۔ اس اصول کی پابندی ہر ریاست میں کی جاتی ہے مثلاً انگلستان میں سربراہ مملکت کے لیے پروٹسٹنٹ عیسائی ہونا ضروری ہے۔ آئرلینڈ میں صدر کے لیے کیتھولک عیسائی ہونا ضروری ہے۔ ارجنٹائن کے دستور کی رو سے صدر یا نائب صدر صرف کیتھولک عیسائی ہی ہو سکتا ہے۔ ڈنمارک میں بادشاہ کے لیے صرف عیسائی ہی نہیں بلکہ ایونجلیکل چرچ (ایک خاص فرقہ) کا پیرو ہونا ضروری ہے۔ ناروے میں بھی بادشاہ کے لیے ایونجلیکل ہونا ضروری ہے۔ یہی قانون سویڈن کا ہے جہاں بادشاہ کے ساتھ اسٹیٹ کونسل کے ارکان کے لیے ایونجلیکل ہونا ضروری ہے۔ یونان میں بادشاہ کے لیے مشرقی مسیحی کلیسا کا پیرو ہونا ضروری ہے۔ اسپین میں صدر مملکت کے لیے رومن کیتھولک ہونا ضروری ہے۔ تھائی لینڈ کے دستور میں صراحت ہے کہ اس کا سربراہ لازماً بدھ مت کا پیرو ہو۔[۵۳]

لہٰذا اسلامی دستوری قانون کی رو سے اسلامی ریاست کے حکمران بھی مسلمان ہوں گے۔ بلکہ حکمران کے لیے صرف مسلمان ہونا ہی کافی نہیں ہے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اسلام کے بارے میں کم از کم اتنا ضرور جانتا ہو کہ اسلام کے اوامر و نواہی کیا ہیں۔ حدود اللہ سے آگاہ ہو اور دین اسلام کے مجموعی مزاج سے اسے واقفیت ہو کیونکہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کی ایک سابق وزیر اعظم نے اپنے دورِ منصب کے دوران ایک مرتبہ لاہور ائیرپورٹ پر شریعت بل (جس کو سینٹ نے متفقہ طور پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پاس کر دیا تھا) کے بارے میں اخبار نویسوں کے سوالات کا جواب دیتے ہوئے کہا تھا کہ "ہم انسانوں کے کان یا ہاتھ کاٹنا مناسب نہیں سمجھتے ہم ایسا اسلام چاہتے ہیں جو واقعی اللہ کی ہدایت کے مطابق ہو۔"[۸۴] حالانکہ قصاص کی سزا حدود واللہ میں سے ہے اور قصاص کا حکم واقعی اللہ کی ہدایت کے مطابق ہے۔

اصولِ اصلح

امت مسلمہ اپنے میں سے اس فرد کو اپنا حکمران بنائے کی جو ان میں سے صالح ترین ہو۔ خود اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ عزت والا وہ شخص ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے اور سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہے۔

إن أكرمكم عند الله اتقاكم[۸۵]

بے شک اللہ کے نزدیک تم سب سے زیادہ عزت والا وہ شخص ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔

خلفائے راشدین کے انتخاب میں امتِ مسلمہ نے یہی اصول مدّنظر رکھا کہ صالح ترین فرد ہی ان کا حکمران بن سکے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اس لیے خلیفہ بنایا گیا کہ وہ امت کے اہل ترین اور صالح ترین فرد تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان کے بارے میں فرمایا تھا:

بل نبايعك أنت فأنت سيدنا وخيرنا وأحبنا إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم[۸۶]

ہم تو آپ سے بیعت کریں گے آپ ہمارے سردار اور ہم سب سے بہتر اور ہم سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب ہیں۔

حضرت علیؓ نے فرمایا تھا:

لما قبض النبي صلى الله عليه وسلم، نظرنا في أمرنا فوجدنا النبي صلى الله عليه وسلم قد قدّم ابا بكر في الصلوٰة فرضينا لدنيانا من رضي رسول الله صلى الله عليه وسلم لديننا فقدّمنا ابا بكر[۸۷]

جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے تو ہم نے اپنے معاملے کی طرف دیکھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہم نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں حضرت ابوبکرؓ کو آگے کر دیا تھا لہٰذا ہم اس شخص پر اپنی دنیا کے لیے راضی ہو گئے جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے دین کے لیے راضی ہو گئے تھے پس ہم نے ابوبکرؓ کو آگے کر دیا اور خلیفہ بنا دیا۔

لہٰذا دنیا کے معاملات میں بھی وہی امام اور حکمران ہوگا جو دین میں امام ہو اور دنیا کا امام ہی دین کا امام ہوگا۔ دین و دنیا ایک حکمران کی نگرانی میں ہی ہوگی اس لیے کہ اسلام دین و دنیا میں کوئی تفریق پیدا نہیں کرتا۔

حضرت ابوبکر صدیق نے جب حضرت عمرؓ کو بطور خلیفہ نامزد کیا تو آپ نے فرمایا:

فولّیت علیهم خیرهم واقواهم علیهم وأحرصهم علی ما أرشدهم[۸۸]

میں نے ان پر ان کے سب سے بہتر کو سب سے قوی تر کو سب سے زیادہ راہِ راست پر چلانے کے خواہش مند کو والی بنایا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مزید فرمایا:

اللّٰهم استخلفت علیهم خیر أهلك[۸۹]

اے اللہ تیرے خاص بندوں میں جو سب سے بہتر تھا میں نے اسے خلیفہ بنایا۔

حضرت عمرؓ نے اپنے بعد خلیفہ کے تقرر کے لیے چھ آدمیوں کی ایک کمیٹی قائم کر دی کہ ان میں سے کسی ایک کو خلیفہ منتخب کر لیا جائے۔ ان چھ آدمیوں کے بارے میں حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا:

لا أجد أحدا أحق بهذا الأمر من هؤلاء النفر الذین توفی رسول الله وهو عنهم راض[۹۰]

میں ان چھ آدمیوں سے زیادہ کسی کو اس امر کا اہل نہیں پاتا جن سے رسول اللہ اپنی وفات تک راضی رہے۔

لہٰذا امتِ مسلمہ اپنے لیے حکمران کے انتخاب کا جو بھی طریقہ اختیار کرے وہ لازماً ایسا ہونا چاہیے کہ اصولِ صالح کے مطابق صرف اہلیت اور تقویٰ کی بنیاد پر بہترین فرد ہی حکمران منتخب ہو سکے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

منصب کی خواہش

اسلام میں کسی منصب اور عہدہ کی خواہش نہیں کی جاتی عام اصول یہی ہے کہ کوئی شخص خود کو کسی عہدہ کے لیے امیدوار کے طور پر پیش نہیں کر سکتا (ماسوائے مخصوص حالات کے جبکہ کوئی اہل شخص نظر نہ آئے) اس لیے کہ اسلام میں کوئی عہدہ یا منصب اعزاز نہیں بلکہ آزمائش ہے۔ کسی منصب کے ملنے پر مبارک بادیں پھولوں کے ہار اور استقبالیے قبول نہیں کیے جاتے بلکہ احساس ذمہ داری کے خوف سے اللہ تعالیٰ کے حضور کامیابی کی دعا اور مدد طلب کی جاتی ہے۔

حضرت ابوذرؓ روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ نے عہدہ و امارت کے بارے میں فرمایا:

وإنها امانة وإنها يوم القيامة خزى وندامة إلا من أخذها بحقها وأدى الذى عليه فيها [91]

یہ (عہدہ و امارت) بے شک امانت ہے اور یہ بے شک قیامت کے روز شرمندگی اور ندامت ہے ماسوائے اس کے جس نے اسے حق کے ساتھ حاصل کیا اور جو ذمہ داری اس پڑی اسے ادا کیا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منصب کی خواہش کرنے سے واضح طور پر منع فرمایا ہے۔

حضرت ابوموسیٰؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إنا والله لا نولى على هذا العمل احدا سأله ولا احدا حرص عليه [92]

خدا کی قسم اس شخص کو خدمت نہیں دیتے جو اس کی درخواست کرے اور جو اس کی حرص کرے۔

ایسی ہی ایک حدیث امام بخاری نے بھی نقل کی ہے [93]

اسلام میں عہدہ کی آزمائش و امتحان کا جو تصور پایا جاتا ہے اس کا اندازہ خلیفۂ ثانی حضرت عمرؓ کے اس قول سے لگایا جا سکتا ہے:

لومات جمل جياعا على شط الفرات لخشيت ان يسألنى الله عنه [94]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اگر کوئی اونٹ ساحلِ فرات پر ضائع ہو کر مر جائے تو مجھے اندیشہ ہے کہ اللہ مجھ سے اس کی بھی باز پرس کرے گا۔

اپنے وقت کے (چیف جسٹس) قاضی ابو یوسف نے وقت کے حکمران ہارون الرشید کو لکھا تھا:

إن الله وله الحمد - قد قلّدك امرا عظيما - ثوابه اعظم الثواب وعقابه أشد العقاب[95]

اللہ تعالیٰ نے جس کی ذات ہر طرح کی حمد و ستائش کی واحد مستحق ہے آپ پر ایک بھاری ذمہ داری ڈال دی ہے اس کا ثواب سب سے زیادہ ہے (اگر بخوبی انجام دی جائے) اور اس کی سزا بھی ساری سزاؤں سے زیادہ سخت ہے (اگر کوتاہی ہو تو)۔

عورت کی حکمرانی

یہ بات دستوری طور پر طے ہو گی کہ اسلامی مملکت کی حکمرانی کسی عورت کے سپرد نہیں کی جائے گی۔ اسلام نے عورت کی جسمانی ساخت، طبعی مزاج اور نسلِ انسانی کی افزائش و تربیت جیسے اہم ترین کام میں اس کے بحیثیت ماں کے مرکزی کردار کی بنا پر اس کے لیے حدود کار متعین کر دیے ہیں۔

فرمانِ خداوندی ہے:

وقرن في بيوتكن ولا تبرّجن تبرّج الجاهلية الأولى[96]

اور اپنے گھروں میں ٹک کر رہو اور سابق دورِ جاہلیت کی سی سج دھج نہ دکھاتی پھرو

خاندان اور گھر معاشرے کی اکائی ہیں۔ انسانی معاشرے میں اس اکائی کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اس اہم اکائی میں عورت کے فرائض اور ذمہ داری کو ادا کرنے کے عوض اس پر معاشی کفالتوں اور ضرورتوں کو پورا کرنے کا بوجھ نہیں ڈالا گیا۔ اسلام مرد کو اس بات کا ذمہ دار بناتا ہے کہ وہ اپنے گھر والوں کے نان و نفقہ کے لیے گھر سے باہر نکلے بطور نگران عورتوں کی نگرانی و کفالت کرنا مرد کے فرائض میں شامل ہے۔ قرآن مجید میں مردوں کو عورتوں کا نگران اور کفیل بنایا گیا ہے۔ عورتوں کو مردوں کا نہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الرجال قوامون علی النساء بما فضل اللہ بعضھم علی
وبما انفقوا من اموالھم [97]

مرد عورتوں پر قوام ہیں اس بنا پر کہ اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس بنا پر کہ مرد اپنا مال خرچ کرتے ہیں ۔

وللرجال علیھن درجۃ [98]

اور مردوں کو ان (عورتوں) پر ایک درجہ حاصل ہے ۔

قرآن مجید میں بنی اسرائیل کے ایک حکمران طالوت کا ذکر آتا ہے ۔ قوم نے جب طالوت کو اپنا حکمران تسلیم کرنے میں پس وپیش کی تو اللہ کے نبی نے طالوت کی جو خوبیاں بیان کیں وہ قرآن کی زبان میں یہ ہیں :

وزادہ بسطۃ فی العلم والجسم [99]

اور اس کو دماغی وجسمانی دونوں قسم کی اہلیتیں فراوانی کے ساتھ عطا فرمائی ہیں ۔

مندرجہ بالا آیت میں حکمرانی کے لیے مردوں کے درمیان مقابلہ کرتے ہوئے طالوت کے وسیع علم اور مضبوط جسم کا خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے جبکہ مرد وعورت کے جسموں میں واضح فرق ہے ان دونوں کے درمیان مقابلہ یا موازنہ نہیں کیا جا سکتا ۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح طور پر عورت کی حکمرانی سے منع فرما دیا ہے حضرت ابوبکرہ سے مروی حدیث کو امام بخاری نقل کرتے ہیں :

لما بلغ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان فارسا ملکوا ابنۃ
کسریٰ قال لن یفلح قوم ولوا امرھم امرأۃ [100]

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر ملی کہ فارس کے لوگوں نے کسریٰ کی بیٹی کو بادشاہ بنا لیا ہے تو آپ نے فرمایا وہ قوم کبھی فلاح نہیں پائے گی جس نے حکومت کسی عورت کے سپرد کی ۔

مندرجہ بالا حدیث میں لفظ (قوم) نکرہ ہے اور اس کا حکم عام ہے اسلام معاشرتی زندگی کا فریم دیتا ہے اس میں مغربی طرز کے مرد وزن کے مخلوط ماحول کے مواقع جگہ نہیں پا سکتے حکمران

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو نہ صرف اپنے ملک کے باشندوں بلکہ دیگر ممالک کے وفود سے بھی روزانہ کئی بار ملنا پڑتا ہے۔ امورِ مملکت کی ادائیگی کے دوران قومی و بین الاقوامی سطح پر کئی ایسے کٹھن لمحات آجاتے ہیں جس میں بھرپور قوتِ فیصلہ، مضبوط اعصاب اور رعب و دبدبے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اپنی فطری جسمانی ساخت کی وجہ سے حکمرانی جیسا منصب مسلمان عورت کا میدانِ کار نہیں۔ مشہور امریکی رسالہ ٹائم نے نے اپنی ۲۰ جنوری ۱۹۹۲ء کی اشاعت میں WHY ARE MEN AND WOMEN DIFFER ? کے عنوان سے عنوان سے ٹائیٹل سٹوری شائع کی ہے[۱۰۱] جس میں مضمون نگار کرسٹائن گورمان نے تحقیق سے ثابت کیا ہے کہ دماغ کی بناوٹ میں فرق ہونے کی وجہ سے مرد و عورت کی سوچ اور استعدادِ کار میں نمایاں فرق آجاتا ہے۔ چھ صفحات پر مشتمل اس مضمون میں لکھا ہے کہ دماغ کے سامنے والے حصے یعنی فرنٹل لوب FRONTAL LOBE کے علاوہ دماغ کے پچھلے والے حصے یعنی PARIETAL LOBE، کارپس کلوسم CORPUS CALLOSUM اور ہائپوتھلمس HYPOTHALAMUS میں عورت اور مرد کے دماغوں کی بناوٹ میں پیدائشی فرق ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے مرد و عورت میں سوچ، علمی صلاحیتیں اور جنسی تحریکات تک میں واضح فرق پایا جاتا ہے۔ کیونکہ مرد و عورت میں ہارمونز مختلف ہوتے ہیں۔

مسلمانوں کی تاریخ میں چند ایک مسلمان عورتوں کا بحیثیت حکمران ذکر ملتا ہے۔ لیکن یہ بات اصولی طور پر طے ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ؐ کے مقابلے میں کسی مسلمان کا ذاتی فعل دین میں حجت اور دلیل تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔

۹۔ جوابدہی کا تصوّر

اسلامی دستوری قانون میں حکمران، حکومت اور حکومتی اداروں کی جوابدہی کا تصوّر بھی دنیا کے دیگر دستوری قوانین سے مختلف ہے۔ اسلام یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کر کے اسے یونہی نہیں چھوڑ دیا ہے کہ وہ جو چاہے کرے اور اس سے کوئی بازپرس نہیں ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

أفحسبتم أنما خلقناكم عبثا وأنكم الينا لا ترجعون[۱۰۲]

کیا تم نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ ہم نے تمہیں فضول ہی پیدا کیا ہے اور تمہیں ہماری طرف پلٹنا ہی نہیں ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہر فرد اپنے اعمال کے بارے میں جوابدہ ہے قیامت کے روز اس سے ضرور ان کاموں کی بازپرس ہوگی اس سے پوچھا جائے گا کہ جو اقتدار و اختیار اور دنیاوی نعمتیں اسے عطا کی گئی تھیں اس نے انہیں کس طرح استعمال کیا۔

ثم لتسئلن یومئذ عن النعیم [۳]

پھر ضرور اس روز تم سے ان نعمتوں کے بارے میں جواب طلبی کی جائے گی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا:

وانکم ستلقون ربکم فیسألکم عن اعمالکم [۴]

اور بے شک تم اپنے ربّ سے ملاقات کرو گے پھر تمہارے اعمال کے بارے میں بازپرس کی جائے گی۔

جس طرح ہر فرد اپنے اعمال و فرائض کا ذمہ دار ہے اسی طرح وہ دوسروں سے متعلق اپنی ذمہ داریوں اور فرائض کے بارے میں بھی جوابدہ ہے حضرت ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ألا کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ فالإمام الذی علی الناس راع وھو مسئول عن رعیتہ [۵]

سنو! تم میں سے ہر شخص چرواہا ہے اور تم میں سے ہر ایک شخص سے اپنی رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ وہ امام جو لوگوں پر نگران ہے اس سے رعیت سے متعلق بازپرس ہوگی۔

اس اصول جوابدہی سے کوئی بھی مستثنیٰ نہیں ہے۔ شریعت و قانون کی نظر میں سب برابر ہیں حاکم اور محکوم میں کوئی فرق نہیں ہے اور نہ ہی حاکم کو جوابدہی میں کوئی استثناء حاصل ہے حکمران اور عوام دونوں میں کوئی قانونی امتیاز نہیں۔

مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ انبیاء معصوم عن الخطا ہوتے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حکمران ریاستِ مدینہ معصوم عن الخطا تھے اس کے باوجود آپؐ نے حقوق العباد کے معاملہ میں خود کو عام مسلمانوں سے مستثنیٰ نہیں رکھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آپ کا ارشاد ہے:

إنه قد دنا مني حقوق من بين اظهركم وانما انا بشر فأيما رجل كنت أصبت من عرضه شيئا فهذا عرضي فليقتص وأيما رجل كنت أصبت من بشره شيئا فهذا بشري فليقتص۔ وأيما رجل كنت أصبت ماله شيئا فهذا مالي فليأخذ ۱۶؎

تم میں سے بعض کے حقوق مجھ سے وابستہ تھے میں بھی ایک بشر ہوں اس لیے جس شخص کی آبرو کو میں نے کچھ نقصان پہنچایا ہو تو یہ میری آبرو موجود ہے اسے بدلہ لے لینا چاہیے۔ جس شخص کے جسم کو میں نے کچھ تکلیف پہنچائی ہو تو یہ میرا جسم موجود ہے اسے بدلہ لے لینا چاہیے جس شخص کے مال کو میں نے نقصان پہنچایا ہو تو یہ میرا مال موجود ہے اسے لے لینا چاہیے۔

اللہ کے نبیؐ نے اسلامی مملکت کے حکمران ہونے کی حیثیت سے حقوق العباد میں خود کو قانون کے سامنے پیش کر کے اس اصول کو بالفعل قائم کر دیا کہ حکمران بھی ایک عام شہری کی طرح قانون کے سامنے جوابدہ ہے۔ ایک بار آپؐ کے ہاتھ مبارک سے ایک لکڑی کا کنارا ایک شخص کے منہ پر لگ گیا۔ اور خراش آئی۔ آپؐ نے اس سے فرمایا مجھ سے انتقام لے لو ۱۷؎

ایک شخص ابی بن کعب نے خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ کے خلاف حضرت زید بن ثابت کی عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا۔ حضرت عمرؓ مدعی علیہ کی حیثیت سے خود پیش ہوئے ۱۸؎

قرآنی احکامات، سنتِ رسولؐ اور تعامل خلفاء راشدینؓ نے یہ بات شرعاً و قانوناً طے کر دی ہے کہ اسلامی مملکت کا ہر شہری خواہ وہ سربراہِ مملکت ہو یا سربراہِ حکومت، انتظامی عہدیدار ہو یا عدالتی افسر یا عام شہری سب اپنے فرائض اور اختیارات کے سلسلے میں جوابدہ ہیں اور کسی کو کوئی بھی استثنا کی حق حاصل نہیں ہے حکمران بیک وقت دو پہلوؤں سے جوابدہ ہے۔ وہ امت کے سامنے بھی جوابدہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے بھی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۰۔ اطاعت کی حدود

اسلامی مملکت کا حکمران اگر شریعت کے اوامر و نواہی کی حدود میں رہ کر کام کرتا ہے تو اس کی اطاعت کرنا ہر مسلمان پر لازم ہے خواہ ایسا حکمران یا حکومت کسی کو ذاتی طور پر ناپسند ہی کیوں نہ ہو۔ ایسے حکمران کی اطاعت رسولؐ کی اطاعت ہے اور اس کی نافرمانی رسول کی نافرمانی۔

حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا:

من یطع الأمیر فقد اطاعنی ومن یعص الأمیر فقد عصانی[۱۰۹]

جس نے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔

حکمران کی اطاعت اس بات سے مشروط ہوگی کہ اس کے تمام تر اقدامات قرآن و سنت کے مطابق ہوں۔ حکمران کا شریعت کے ساتھ طرزِ عمل ہی وہ پیمانہ ہے جو اطاعت کی حدود متعین کرتا ہے۔ جب حد تک حکمران شریعت کا پابند ہے اس حد تک ہر شہری اس کی اطاعت کا پابند ہے۔ اگر حکومت خلافِ شریعت کوئی اقدام کرتی ہے تو حکومت کے ایسے اقدام کا شرعاً کوئی جواز نہیں ہے اور اس کے اِس اقدام کی حد تک شہریوں پر سے حکومت کی اطاعت کی پابندی ختم ہو گی۔

حاکمِ اعلیٰ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے:

ولا تطع منہم اٰثما أو کفورًا[۱۱۰]

اور ان میں سے کسی گناہ گار اور ناشکرے کی اطاعت نہ کرو۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

علی المرء المسلم الطاعۃ فیما أحب أو کرہ إلا أن یومر بمعصیۃ فإذا أمر بمعصیۃ فلا سمع ولا طاعۃ[۱۱۱]

مسلمان آدمی پر اطاعت کرنا واجب ہے ہر ایک کام میں جس کو وہ پسند کرے یا ناپسند کرے مگر جب کہ اسے گناہ کا حکم دیا جائے۔ پھر جب گناہ کا حکم دیا جائے تو ہرگز نہ سنے اور ہرگز نہ مانے۔

حضرت علیؓ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الطاعة فى المعروف [۱۱]

اطاعت نیک کام میں ہوتی ہے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ جب خلیفہ منتخب ہوئے تو آپ نے مجمع عام میں اطاعت کے اصول کی وضاحت اس انداز سے کی:

"جب تک میں اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کروں تم میری اطاعت کرنا اور اگر میں اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکام کی خلاف ورزی کروں تو تم پر میری اطاعت ضروری نہیں" [۱۲]

مندرجہ بالا نصوص سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلامی مملکت میں حکمران کی اطاعت اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت سے مشروط ہے۔ اسلامی حکومت رعایا سے اپنی اطاعت کا جواز خود کو شریعت کی اطاعت میں دینے سے حاصل کرتی ہے۔

۱۱۔ مقننہ کی حدود

اسلامی دستوری قانون مقننہ کو قانون سازی کا مطلق اختیار نہیں دیتا۔ اس کا قانون سازی کا اختیار شریعت کی بالادستی کے تحت ہے۔

ایسے تمام معاملات جن کے بارے میں شریعت نے واضح حکم دے رکھا ہے، مقننہ کے دائرہ اختیار سے باہر ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

وما كان لمومن ولا مومنة اذا قضى الله ورسوله أمرا أن يكون لهم الخيرة من امرهم ومن يعص الله ورسوله فقد ضل ضلالاً مبينا [۱۳]

کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے کا فیصلہ کر دیں تو پھر اسے اپنے اس معاملے میں خود فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل ہو، اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کرے وہ صریح گمراہی میں پڑ گیا۔

شریعت اسلامی صدا بہار چشمہ ہے۔ اس نے انسان کے ساتھ کوئی ایسا رویہ اختیار نہیں کیا جس سے انسانی معاشرہ اپنے ارتقائی سفر میں کوئی رکاوٹ محسوس کرے۔ اس لیے شریعت نے بعض نہایت اہم امور میں ضروری حد تک غیر لچکدار رویہ اختیار کرنے کے ساتھ ساتھ یہ رعایت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

— بھی دی ہے کہ جن معاملات میں شریعت خاموش ہے یا وہ خود انسانوں کو صوابدیدی اختیارات دیتی ہے یا جن میں صرف رہنما اصول بیان کر دینے پر اکتفا کی ہے ان میں شریعت کے مجموعی مزاج اور زمان و مکان کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اجتہاد کی مدد سے قانون سازی کی جا سکتی ہے۔
اجتہاد قانون سازی کے میدان میں ایک نہایت اہم طریقہ ہے۔ اس کی تعریف یہ ہے:

بذل الفقیه وسعه فی استنباط الحکم الشرعی العملی من الدلیل التفصیلی [۴]

دلیل تفصیلی (قرآن و سنت) سے کسی حکم شرعی کا استنباط کرنے کے لیے کسی فقیہ کا اپنی کوشش کو صرف کرنا۔

حضرت عمرؓ کے ایک حکم نامے سے قانون سازی میں اجتہاد کے مقام آغاز کی نشاندہی ہوتی ہے۔

ما استبان لك من كتاب الله فلا تسأل عنه فإن لم يستبن فی كتاب الله فمن السنة فإن لم تجده فی السنة فاجتهد رايك [۵]

جو چیز تمہیں کتاب اللہ میں مل جائے اس کے بارے میں سوال نہ کرو اگر وہ کتاب اللہ میں نہ ملے تو پھر سنتِ رسولؐ میں دریافت کرو۔ اگر تم اسے سنت میں بھی نہ پاؤ تو پھر اپنی رائے سے اجتہاد کرو۔

لہٰذا ایسے تمام امور جن میں قرآن و سنت سے کوئی قطعی نص وارد ہوئی ہو وہ مقننہ کے دائرہ قانون سازی سے باہر ہیں۔ اور ان میں اجتہاد نہیں ہو سکتا۔
ایک فقہی اصول ہے:

لا مساغ للاجتهاد فی مورد النص [۶]

جہاں نص وارد ہو جائے وہاں اجتہاد جائز نہیں۔

جن معاملات میں شریعت نے صرف عام اصول بیان کرنے پر اکتفا کیا ہے اور تفصیلی حکم بیان نہیں کیا ان کے بارے میں شریعت کے مزاج کو مدنظر رکھتے ہوئے تفصیلی ضوابط طے کرنا مقننہ کے دائرہ کار میں شامل ہے۔ بعض امور ایسے ہوتے ہیں جن کے بارے میں شریعت نے کوئی حکم نہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دیا لیکن ان سے ملتے جلتے معاملات کے بارے میں شریعت میں قطعی حکم پایا جاتا ہے ایسی صورت میں قطعی حکم رکھنے والی چیز میں پائی جانے والی علت کو مدنظر رکھتے ہوئے ہر اس چیز پر بھی پہلی چیز کے قطعی حکم کو نافذ کر دیا جائے گا جس میں پہلی چیز والی علت پائی جائے اس طریقہ کار کو اصول فقہ کی اصطلاح میں قیاس کہتے ہیں۔

جن معاملات میں شریعت بالکل خاموش ہو اور نہ ہی ان سے ملتے جلتے معاملات میں کوئی قطعی حکم ملتا ہو تو ایسی صورت میں مقننہ کو اپنی اجتہادی صلاحیتوں پر انحصار کرتے ہوئے قانون سازی کا مطلق اختیار حاصل ہے البتہ یہ اختیار شریعت کے مجموعی مزاج اور ملک و ملت کی مصلحت کے مطابق ہو، مصلحت عامہ کے خلاف نہ ہو۔ ایک فقہی اصول ہے:

تصرف الإمام على الرعية منوط بالمصلحة[۲۷]

حکمران کا اپنی رعایا پر اختیار و تصرف مصلحت سے مشروط ہوگا۔

عبادات میں قانون سازی کی کوئی گنجائش نہیں۔ عبادات میں وہی اور ویسا ہی کرنے کی اجازت ہے جس کا معبود نے حکم دیا ہے۔

۱۲۔ بنیادی حقوق

بنیادی حقوق وہ لازمی حقوق ہیں جو شہریوں کو حاصل ہوں گے شریعت اسلامی نے ان حقوق کی اہمیت کے پیش نظر ان کا تعین کر کے انہیں قانونی تحفظ دے دیا ہے۔ یہ حقوق خود اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے انسانوں کو عطا کیے ہیں کوئی حکمران یا ادارہ ان کو سلب نہیں کر سکتا۔ ان بنیادی حقوق کے معاملے میں حکمران اور عام شہری اور مسلم و غیر مسلم میں کوئی فرق نہیں سب ان حقوق سے یکساں طور پر متمتع ہونے کا استحقاق رکھتے ہیں۔ عہد نبوی اور خلافت راشدہ کے دور کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس دوران بنیادی حقوق کو کبھی معطل نہیں کیا گیا۔ ایک ملک و قوم کے لیے جنگ سے زیادہ غیر معمولی اور ہنگامی حالت اور کیا ہو سکتی ہے لیکن اس زمانہ میں بھی بنیادی حقوق معطل نہ ہوئے۔ خلافت راشدہ کے دور میں بعض اوقات اندرونی بدامنی کی وجہ سے ملکی حالات غیر معمولی نوعیت کے رہے مثلاً مانعین زکوٰۃ جھوٹے مدعیان نبوت، قحط، سیاسی بلوے اور افراتفری لیکن ان حالات کو بہانہ بنا کر شہریوں کو ان کے بنیادی حقوق سے محروم نہیں کیا گیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انسان کا سب سے اہم بنیادی حق حقِ زندگی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے :

ولا تقتلوا النفس التی حرّم اللّٰہ إلا بالحق [۱۱۸]

قتل نفس کا ارتکاب مت کرو جسے اللہ نے حرام کیا ہے مگر حق کے ساتھ۔

حضور اکرمؐ نے ایک دوسرے کا خون مال اور عزت حرام قرار دی ہے۔

فإن دماءکم واموالکم واعراضکم بینکم حرام کحرمة یومکم ھذا فی شھرکم ھذا فی بلدکم ھذا [۱۱۹]

بے شک تمہارا خون تمہارے اموال اور تمہاری عزتیں تمہارے درمیان اسی طرح حرام ہیں جس طرح آج کے دن کی اس ماہ میں اور اس شہر میں حرمت ہے۔

شہریوں کے اموال پر دست درازی حرام قرار دی گئی ہے۔ اللہ کا حکم ہے :

ولا تأکلوا اموالکم بینکم بالباطل [۱۲۰]

اور تم لوگ آپس میں ایک دوسرے کا مال ناروا طریقے سے نہ کھاؤ۔

ہر شہری کا یہ بنیادی حق ہے کہ وہ جہاں چاہے رہے قانونی مطالبہ کے بغیر کسی شخص سے سکونت اور نقل وحرکت کا حق نہیں چھینا جا سکتا۔

فسیروا فی الأرض [۱۲۱]

پس زمین میں چلو پھرو۔

کسی شخص کو اس کے گھر سے بے دخل نہیں کیا جائے گا۔ اس جرم کا ارتکاب بنی اسرائیل کی قوم نے کیا تھا جس کا ذکر قرآن میں ہے :

وتخرجون فریقا من دیارھم [۱۲۲]

اور تم اپنی برادری کے کچھ لوگوں کو ان کے گھروں سے نکال دیتے ہو۔

اسلام آزادی اظہار رائے کا اتنا بڑا علمبردار ہے کہ وہ دین کے معاملے میں بھی یہ رویہ اپناتا ہے کہ دین کسی پر زبردستی ٹھونسا نہیں جائے گا۔

لا اکراہ فی الدین [۱۲۳]

دین کے معاملے میں کوئی زور زبردستی نہیں ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

البتہ آزادی اظہار رائے کا حق منکرات کے فروغ اور فکری و ذہنی انتشار ابھار کر معاشرے میں بگاڑ پیدا کرنے کے لیے استعمال نہیں ہوگا۔

ہر شہری کا یہ بنیادی حق ہے کہ اسے معاشرے میں معاشی تحفظ حاصل ہو، روزگار کے مواقع میسر ہوں اور محرومین کی کفالت کرنا مملکت کا فرض ہے۔ اسلام انسان کو اس کی نجی زندگی کے تحفظ کا یقین دلاتا ہے۔ حکم الٰہی ہے:

یایها الذین امنوا لا تدخلوا بیوتا غیر بیوتکم حتی تستانسوا[۱۲۴]

اے لوگو جو ایمان لائے ہو اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو جب تک کہ گھر والوں سے اجازت نہ لے لو۔

تمام شہری قانون کے سامنے برابر ہیں۔ اسلام یہ آفاقی اصول پیش کرتا ہے کہ:

یایها الناس إنا خلقناکم من ذکر وانثی وجعلناکم شعوبا وقبائل لتعارفوا إن اکرمکم عند اللہ اتقاکم[۱۲۵]

اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنا دیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔

کسی شہری پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ حضورؐ نے فرمایا:

لا تظلمون ولا تُظلمون[۱۲۶]

نہ تم ظلم کرو گے اور نہ تم پر ظلم کیا جائے گا۔

ہر انسان کا یہ بھی بنیادی حق ہے کہ اس کے ساتھ عدل و انصاف کیا جائے۔

إعدلوا هو اقرب للتقوی[۱۲۷]

عدل سے کام لو یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔

ہر فرد سے عادلانہ برتاؤ ہوگا وہ صرف اپنے فعل کا ہی ذمہ دار ہوگا کسی دوسرے کے جرم کی سزا اسے نہیں دی جائے گی۔

ولا تزر وازرة وزر أخری[۱۲۸]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اُٹھائے گا۔
اور نہ ہی کسی فرد کو بغیر جرم کے قید اور حبسِ بیجا میں رکھا جائے گا۔ حضرت عمرؓ نے حکم دیا تھا کہ:

لا یؤسر رجل فی الاسلام بغیر عدول[129]

اسلام میں کوئی شخص بغیر عدل کے قید نہیں کیا جائے گا۔

یہ ہیں اسلامی دستوری قانون کی چند اساسی خصوصیات۔ ایک ایسے دستوری قانون کی اساسی خصوصیات جس کی بنیاد پر ایک حقیقی فلاحی ریاست بالفعل قائم رہی، جو ہر زمانے کی سیاسی و دستوری ضروریات پوری کرنے کی مکمل صلاحیت رکھتا ہے، جو آج کی ضرورت ہے اور ریاست میں جس کا عملی نفاذ ہر مسلمان کی تمنا اور خواہش ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حوالہ جات

۱۔ شاہد حسین رزاقی ۔ تاریخ جمہوریت ۔ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۵ء ص ۵۸

۲۔ محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، خطبات بہاولپور، ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد ۱۹۸۸ء ص ۱۱۹

۳۔ محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، عہد نبوی میں نظام حکمرانی، اردو اکیڈمی کراچی ۔ ص ۸۷

۴۔ مثال کے طور پر برطانیہ

۵۔ شاہد حسین رزاقی ۔ تاریخ جمہوریت ۔ ص ۳۰۰

۶۔ حوالہ بالا ص ۳۰۱

۷۔ The Encyclopedia Americana, Grolier Incorporated 1985, Vol7, P.679

۸۔ Mahmood-un-Nasir, Syed. Constitutional History of Pakistan, Mansoor Book House, Lahore. Page 42

۹۔ حوالہ بالا page 50

۱۰۔ مجلہ "محدث" ماڈل ٹاؤن لاہور۔ اگست ۱۹۹۳ء مقالہ اسلام میں قانون سازی۔ از مفتی اکبر فہد بن ابراہیم ۔ مترجم حافظ حسن مدنی ص ۱۳۳

۱۱۔ ابن ہشام، ابوعبداللہ عبدالملک، السیرۃ النبویۃ، مؤسسۃ علوم القرآن بیروت، القسم الاول ص ۵۰۱ ۔ ۵۰۴

۱۲۔ سورۃ المائدہ آیت : ۴۴

۱۳۔ سورۃ النساء ۔ آیت : ۵۹

۱۴۔ مودودی، سید ابوالاعلیٰ، اسلامی ریاست ۔ اسلامی پبلی کیشنز لاہور ۱۹۷۴ء ص ۲۹۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۵۔ Mohammad Asad, The Principles of State and Government in Islam, Service Book Club, Pap-Board Printers Ltd., Rawalpindi 1986, P. 24

۱۶۔ حوالہ بالا ص ۲۶

۱۷۔ ابن سعد، محمد، الطبقات الکبریٰ۔ دارصادر بیروت ۲/۳۳۴

۱۸۔ ابن ماجہ، محمد بن یزید۔ السنن، (اردو ترجمہ) اہل حدیث اکادمی کشمیری بازار لاہور ۱/۳۸

۱۹۔ البخاری۔ محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، (اردو ترجمہ) مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور۔ کتاب الانبیاء ۲/۳۷۷

۲۰۔ محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، خطبات بہاولپور۔ ص ۳۴۔

۲۱۔ Webster's New Twentieth Century Dictionary of English Language, Collins Ltd., 2nd ed. Vol.II, P.1736

۲۲۔ ام الخبائث شراب کی تباہ کاریوں سے معاشرے کو بچانے کے لیے امریکہ کی مجلس قانون ساز نے امتناع شراب کا قانون بنایا جو ۱۹۲۰ء کو نافذ ہوا۔ قانون کی خلاف ورزی کرنے پر ایک ہزار ڈالر جرمانہ اور چھ ماہ قید سزا رکھی گئی لیکن عوام کے شدید احتجاج پر اس کو ۱۹۳۳ء میں واپس لینا پڑا۔ (The Encyclopedia Americana, Vol.22, P. 647 Ed.1980)

۲۳۔ سورۃ بنی اسرائیل۔ آیت: ۸۵

۲۴۔ سورۃ النحل۔ آیت: ۳

۲۵۔ سورۃ الاعراف۔ آیت: ۵۴

۲۶۔ سورۃ یوسف۔ آیت: ۴۰

۲۷۔ سورۃ الکہف۔ آیت: ۲۶

۲۸۔ سورۃ بنی اسرائیل۔ آیت: ۱۱۱

۲۹۔ سورۃ آلِ عمران۔ آیت: ۱۵۴

۳۰۔ سورۃ الملک۔ آیت: ۱

۳۱۔ سورۃ ابراہیم۔ آیت: ۲۷

۳۲۔ سورۃ آل عمران۔ آیت: ۱۸۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۳۳ - سورۃ الحج - آیت : ۳۴

۳۴ - سورۃ یٰسٓ - آیت : ۸۳

۳۵ - سورۃ البقرۃ - آیت : ۱۰۶

۳۶ - فیروز اللغات (اردو) فیروز سنز لمیٹڈ لاہور ص ۱۶۹

۳۷ - سورۃ البقرہ - آیت : ۳۰

۳۸ - البخاری - محمد بن اسماعیل. الجامع الصحیح - (اردو ترجمہ) - کتاب الاحکام - ۳/۵۶۷

۳۹ - سورۃ الانعام آیت : ۱۶۵

۴۰ - ابن سعد، محمد، الطبقات الکبریٰ - ۳/۱۸۳

۴۱ - محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، عہد نبوی میں نظام حکمرانی - ص ۱۱۸

۴۲ - ابن تیمیہ، تقی الدین. السیاسۃ الشرعیۃ فی اصلاح الراعی والرعیۃ دار الکتب العربیۃ - بیروت -
۱۳۸۶ھ - ص ۱۱۷

۴۳ - الیسوعی، الأب لویس معلوف - المنجد فی اللغۃ والادب والعلوم، المکتبۃ الکاثولیکیۃ بیروت
۱۹۲۷ء ص ۹۱۴

۴۴ - حوالہ بالا ص ۹۱۴

۴۵ - سورت نمبر ۴۲ ، پارہ نمبر ۲۵

۴۶ - سورۃ الشوریٰ - آیت : ۳۸

۴۷ - الریس، الدکتور ضیاء الدین، النظریات السیاسیۃ الاسلامیۃ - دار المعارف مصر ۱۹۶۶ - ۱۹۶۷ء ص ۲۹۰

۴۸ - سورۃ آل عمران - آیت : ۱۵۹

۴۹ - طبری، محمد ابن جریر - تاریخ الامم والملوک (اردو ترجمہ) نفیس اکیڈمی لاہور ۱۹۶۷ء ۱/۲۰۱

۵۰ - حوالہ بالا ۱/۲۲۵ ، الطبقات الکبریٰ لابن سعد ۲/۶۶

۵۱ - طبری، محمد ابن جریر - تاریخ الامم والملوک (اردو ترجمہ) ۱/۲۷۷ الطبقات الکبریٰ لابن سعد ۲/۶۶

۵۲ - ابن سعد، الطبقات الکبریٰ - ۲/۳۵۱

۵۳ - طبری، تاریخ الامم والملوک (اردو ترجمہ) ۳/۴۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۵۴ - حوالہ بالا ۲/۳۴۵

۵۵ - مودودی، اسلامی ریاست ص ۶۳۹

۵۶ - ابن ماجہ، السنن، ابواب الفتن ۳/۲۵۱

۵۷ - سورۃ الشوریٰ آیت : ۳۸

۵۸ - طبری : تاریخ الامم والملوک (اردو ترجمہ) ۲/۳۷

۵۹ - حوالہ بالا ۲/۶۰

۶۰ - محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، خطبات بہاولپور، ص ۱۱۶

۶۱ - سورۃ النساء، آیت : ۵۹

۶۲ - عمل قانون سازی و پارلیمانی روایت، سیمینار ۱۹۸۷ء، صوبائی اسمبلی پنجاب ص ۶

۶۳ - روزنامہ نوائے وقت لاہور، ۹۰-۶-۱۶

۶۴ - سورۃ المائدہ - آیت : ۲

۶۵ - ابن سعد - الطبقات الکبریٰ - ۳/۱۸۳

۶۶ - ابن ماجہ، السنن، ابواب الفتن - ۳/۲۷۷

۶۷ - حوالہ بالا، باب المستشار مؤتمن - ۳/۱۸۳

۶۸ - سورۃ النساء، آیت : ۱۳۵

۶۹ - شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ، مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور ۱۹۷۵ء، ۱/۳۴۹

۷۰ - سورۃ آل عمران، آیت : ۱۶۷

۷۱ - رئیس احمد جعفری، اسلامی جمہوریت، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ص ۹۱

۷۲ - سورۃ النساء، آیت : ۵۹

۷۳ - Mohammad Asad, The Principals of State and Government in Islam. Page 36

۷۴ - البخاری، الجامع الصحیح، (اردو ترجمہ) کتاب الانبیاء ۲/۳۸۴، الطبقات الکبریٰ لابن سعد ۲/۳۶۹

۷۵ - محمد حسنین ہیکل، عمر فاروق اعظم (اردو ترجمہ) میری لائبریری، ۱۹۸۲ء ص ۹۷

۷۶ - ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۳/۱۹۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۷۷ ۔ معین الدین احمد، شاہ، تاریخ اسلام، ناشران قرآن اردو بازار لاہور ۱/۱۲۱

۷۸ ۔ طبری، تاریخ الامم والملوک (اردو ترجمہ) ۳/ ۲۹۶

۷۹ ۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۳/۶۲

۸۰ ۔ طبری، تاریخ الامم والملوک (اردو ترجمہ)، ۳/ ۲۵

۸۱ ۔ حوالہ بالا، ۳/۲۶

۸۲ ۔ حوالہ بالا، ۳/ ۵۰۲

۸۳ ۔ خورشید احمد، اسلامی نظریہ حیات، کراچی یونیورسٹی ۱۹۶۳ء ص ۴۱۳

۸۴ ۔ روزنامہ جنگ لاہور، ۹۰ - ۷ - ۲۰

۸۵ ۔ سورۃ الحجرات، آیت: ۱۳

۸۶ ۔ البخاری، الجامع الصحیح، (اردو ترجمہ) کتاب الانبیاء ۲/ ۳۸۴

۸۷ ۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ ۳/ ۱۸۳

۸۸ ۔ حوالہ بالا، ۳/ ۲۰۰

۸۹ ۔ حوالہ بالا، ۳/ ۱۹۹

۹۰ ۔ حوالہ بالا، ۳/ ۳۳۸

۹۱ ۔ مسلم بن الحجاج القشیری، ابو الحسین، "الجامع الصحیح"، دار الفکر دمشق ۱۴۰۱ھ ۔ کتاب الامارہ ۱۲/ ۲۱۰

۹۲ ۔ حوالہ بالا، ۱۲/ ۲۰۷

۹۳ ۔ البخاری، "الجامع الصحیح"، (اردو ترجمہ) کتاب الاحکام، ۳/ ۷۶۰

۹۴ ۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ ۔ ۳/ ۳۰۵

۹۵ ۔ ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم ۔ کتاب الخراج، دار الاصلاح، ص ۳۱

۹۶ ۔ سورۃ الاحزاب، آیت: ۳۳

۹۷ ۔ سورۃ النساء، آیت: ۳۴

۹۸ ۔ سورۃ البقرۃ، آیت: ۲۲۸

۹۹ ۔ سورۃ البقرۃ، آیت: ۲۴۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۰۰۔ البخاری، "الجامع الصحیح" (اردو ترجمہ)۔ کتاب الفتن ۳/۴۵،۴
۱۰۱۔ Time International New yark, Vol 139 No. 3 January 20. 1970
۱۰۲۔ سورۃ المومنون، آیت : ۱۱۵
۱۰۳۔ سورۃ التکاثر، آیت : ۸
۱۰۴۔ ابن ہشام۔ السیرۃ النبویۃ، القسم الثانی ص ۶۰۳
۱۰۵۔ البخاری، "الجامع الصحیح"، (اردو ترجمہ) کتاب الاحکام ۳/۵۶،۷
۱۰۶۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۲/۲۵۵
۱۰۷۔ شبلی نعمانی، سیرۃ النبی، ۲/۲۸۵
۱۰۸۔ Shibli Numani Omar The Great' translated by Mohammad Saleem, Sh.Mohammad Ashraf, Kashmiri Bazar Lahore- 1975, Vol.2 P.72
۱۰۹۔ البخاری، "الجامع الصحیح"، (اردو ترجمہ) کتاب المغازی ۲/۶۵۲
۱۱۰۔ سورۃ الدھر، آیت
۱۱۱۔ ابن ماجہ، السنن، باب لا طاعۃ فی معصیۃ اللہ۔ ۲/۱۴۱
۱۱۲۔ البخاری، "الجامع الصحیح"۔ کتاب المغازی، ۲/۶۵۲
۱۱۳۔ سورۃ الاحزاب۔ آیت : ۳۶
۱۱۴۔ محمد زکریا البردیسی۔ اصول الفقہ۔ دار الثقافۃ للنشر والتوزیع، ۱۹۸۳ء ص ۴۵۹
۱۱۵۔ ابن قیم الجوزیۃ۔ شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن ابوبکر۔ اعلام الموقعین عن رب العالمین، دار الجیل لبنان۔ ۱۹۷۳ء، ۱/۸۵
۱۱۶۔ محمد خالد الاتاسی۔ شرح المجلۃ۔ مکتبہ اسلامیہ، میزان مارکیٹ کوئٹہ پاکستان ۱۴۰۳ھ ۱/۴۰
۱۱۷۔ السیوطی، جلال الدین عبدالرحمٰن، "الاشباہ والنظائر" دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان، ص ۱۲۱
۱۱۸۔ سورۃ بنی اسرائیل، آیت : ۳۳
۱۱۹۔ البخاری، "الجامع الصحیح"۔ کتاب العلم۔ ۱/۱۱۶
۱۲۰۔ سورۃ البقرہ، آیت : ۱۸۸

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۲۱ - سورۃ آل عمران - آیت : ۱۳۷

۱۲۲ - سورۃ البقرۃ - آیت : ۸۵

۱۲۳ - سورۃ البقرۃ - آیت : ۲۵۶

۱۲۴ - سورۃ النور - آیت : ۲۷

۱۲۵ - سورۃ الحجرات - آیت : ۱۳

۱۲۶ - ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، القسم الثانی ص ۶۰۳

۱۲۷ - سورۃ المائدۃ، آیت : ۸

۱۲۸ - سورۃ الانعام، آیت : ۱۶۴

۱۲۹ - مالک بن انس "الموطا" (اردو ترجمہ) اسلامی اکادمی لاہور - کتاب الاقضیۃ ص ۵۲۵

© rasailojaraid.com